مکتبہ حمادیہ کراچی

سنہرے واقعات

ترتیب وتزئین

حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

اُستاذ ورئیس دارالافتاء جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ حمادیہ کراچی
شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کوڈ نمبر 75230 فون نمبر 4572537

نام کتاب:۔ سنہرے واقعات

تالیف:۔ حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات:۔ ۲۵۶

سن طباعت:۔ اپریل ۲۰۱۴ء

تعداد:۔ ۱۱۰۰

قیمت:۔

کمپوزنگ: کبیر احمد 0300-2886101

مکتبہ حمادیہ کراچی

شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کوڈ نمبر 75230 فون نمبر 02134572537

Books@JamiaHammadia.com

www.JamiaHammadia.com

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنی والدہ محترمہ مرحومہ مغفورہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی محبتیں، توجہات، اور دعائیں ہمیشہ ہر مشکل گھڑی میں میرے لئے تقویت کا باعث بنیں، میری ہر کتاب کی تقریبِ رونمائی کے موقع پر ان سے زیادہ شاید کسی کو مسرت وفرحت ہوتی ہو، ایسے میں وہ دل کی گہرائیوں سے جو دعائیں دیتیں اس سے ''ناچیز'' کی خالی جھولی بھر جاتی، آج ان کی، اوران کی مخلصانہ مقبول دعاؤں کی کمی بڑی شدت سے محسوس کررہا ہوں، شاید اس کمی کو ان کے بعد کوئی اور پورا نہ کرسکے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَعَافِهَا وَاعْفُ عَنْهَا وَأَكْرِمْ نُزُلَهَا وَ وَسِّعْ مُدْخَلَهَا وَاغْسِلْهَا بِالْمَاءِ والثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهَا مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَبْدِلْهَا دَارً خَيْرًا مِنْ دَارِهَا وَ اَهْلاً خَيْرًا مِنْ أَهلِها وَأَدْخِلْهَا الْجَنَّةَ وَ إعِذْهَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ.

بشری کمزوری

انّی رئیت انه لایکتب انسان کتاباً فی یومه الاقال فی غده" لوغیر هذا لکان احسن، ولو زید کذا لکان یستحسن ولو قدم هٰذا لکان افضل، ولوترک هٰذا لکان اجمل، وهٰذا من اعظم العبرة وهو دلیل علی استیلاء النقص علی سائر البشر.

(قاله العماد الاصفهانی فی مقدمة معجم الادباء)

''میں نے دیکھا ہے کہ آج جس انسان سے بھی فن تصنیف میں قدم رکھتے ہوئے کوئی بھی کتاب خوب اہتمام سے لکھی ہے تو کل کو'' زیور طبع سے آراستہ ہونے کے بعد'' اسے خود اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑا ہے کہ اگر اس مقام پر کوئی تبدیلی کی جاتی تو بہت اچھا ہوتا، اگر کچھ اضافہ کیا جاتا تو اور اچھا سمجھا جاتا، اگر اس عنوان یا عبارت میں تقدیم وتاخیر کی جاتی تو کس قدر بہتر ہوتا، اگر یہ عبارت نہ ہی ذکر کی جاتی تو کیا ہی خوبصورتی پیدا ہو جاتی۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے اور اس بات کی دلیل کہ نقص وکمی اور کمزوری جنس بشر پر مکمل طور پر حاوی ہے۔''

حُسنِ ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابرکت دعائیہ کلمات

پیر طریقت، رہبر شریعت

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بانی ورئیس جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فَاَنَارَ بِهٖ سُبُلَ السَّلَامِ وَاَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ رَؤُفًا رَّحِیْمًا فَاَوْضَحَ بِهٖ مَعَالِمَ الْاِسْلَامِ وَجَعَلَ اُمَّتَهٗ خَیْرَ الْاُمَمِ فَهَدٰی بِهِمُ النَّاسَ اِلَی الطَّرِیْقِ الْاَمَمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی صَفِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰی تَابِعِیْهِمْ اِلٰی اٰخِرِ الْاَیَّامِ.

امابعد!

انبیاء کرام علیہ السلام، صحابہ عظام، اولیاء امت اور فقہاء ملت کے حالات واقعات اور ارشادات وفرمودات اصلاح امت کے لئے عظیم ذخیرہ وسرمایہ ہوتے ہیں، جس سے انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اخلاقیات کی تطہیر ہوتی ہے، معاشرہ سُدھرتا ہے، ذہن کو جلا ملتی ہے، خیالات وتصورات کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے۔

الحمد للہ کہ میرے برخوردار خورد مفتی عاصم عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس افادیت کو کما حقہ سمجھتے ہوئے اس موضوع پر ڈھیروں کتابیں تصنیف فرمائیں، حالیہ

کاوش ''سنہرے واقعات'' کے نام سے مکمل ہو کر منظر عام پر لائی جا رہی ہے۔ جس کا اکثر و بیشتر حصہ انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات پر مشتمل ہے۔

نہایت دلچسپ واقعات و حالات سرمایہ عقبیٰ ثابت ہوں گے۔ برخوردار کے حق میں دل سے دعا ہے۔

اللّٰھم زِدْ فزد وبارک فی عمرہٖ وعلمہ وعملہ وتقبلہ منہ

''اے اللہ! ان کے علم و عمل میں اضافہ فرما، ان کی عمر، علم و عمل میں برکت عطا فرما، اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔''

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین

وصلی اللہ علیہ النبی الکریم

عبد الواحد

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بانی و مہتمم

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۲۲ رجمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

۲۳/اپریل ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پسند فرمودہ

شیخ المنقول والمعقول

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ سندھ

خلیفہ مجاز

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علٰی عبادہِ الذین اصطفیٰ خصوصًا علی سیدنا محمد المصطفیٰ. اما بعد!

اس وقت ہمارے سامنے برادرم حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کی تازہ تالیف ''سنہرے واقعات'' ہے۔ فہرست پر نظر ڈالی۔ ماشاءاللہ معلومات کا خزانہ پھیلا کر رکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ کی وسعت معلومات، وسیع مطالعہ، بلند ہمتی کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف تاریخی معلومات کا خزینہ ہے جو عام آدمی کے لئے انتہائی مفید ہے بلکہ اچھے خاصے علمی

نکات پر بھی مشتمل ہے۔ معتبر تفاسیر، مستند احادیث اور وقیع کتب سے نہایت علمی، عبرت خیز اور اصلاحی واقعات چن چن کر جمع کئے گئے ہیں اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ عام فہم سلیس انداز میں تالیفی و تصنیفی خوبیوں کے ساتھ طباعتی معیار کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے، بلند ذوق کتاب میں نمایاں نظر آتا ہے۔ امید ہے کہ خواص وعوام سب ہی کے لئے سابقہ کتب کی طرح یہ کتاب بھی نہایت مفید علمی شاہکار ثابت ہوگی۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے علم وعمل میں مزید برکت عطا فرمائیں۔ آمین

محمد ابراہیم عفی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث ومہتمم

جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ

۲۱/ جمادی الآخری ١٤٣٥ھ

۲۲/ مئی ٢٠١٤ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کوثر صاحب حفظہ اللہ

ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری نور اللہ مرقدہٗ

الحمدللّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

امابعد!

ہمارے دوست مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زید علمہ (ابن پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہم العالی (بانی ومؤسس جامعہ حلاویہ) نے امت مسلمہ کے نفع کے لئے اور عوام الناس کی دینی تربیت کے لئے اور اہل دنیا کو دین کی طرف رغبت دلانے کے لئے متعدد کتابیں تألیف فرمائی ہیں۔ جو بہت نافع ومفید ہیں، اس پُرفتن اور دنیاوی انہماک کے دور میں ایسی دینی کتابیں تألیف کرنا وقت کی اہم ضرورت اور دورِ حاضر کا اہم تقاضا ہے، اور یہ من جانب اللہ توفیق کی بات ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو توفیق سے نواز دیتے ہیں۔

مولانا موصوف کی تصنیفی وتالیفی رغبت کا سبب اللہ تعالیٰ نے بندہ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کو بنایا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ آپ کا علمی مشغلہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اپنے جامعہ حلاویہ میں تدریس اور افتاء کی خدمت میں وقت

صرف کرتا ہوں، فرمایا کہ کچھ تصنیفی کام بھی کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی تو صرف تدریس وافتاء کی ذمہ داریاں ادا کررہا ہوں۔ حضرت والد ماجدؒ نے مشکوٰۃ شریف اٹھا کردی اور فرمایا کہ "ریاض الجنة" میں جاکر دس احادیث کا ترجمہ لکھ کر لاؤ۔ مولانا موصوف نے تعمیلِ حکم میں دس احادیث کا ترجمہ حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کردیا، پھر اس کے بعد ماشاءاللہ مفتی عاصم عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کا قلم ایسا رواں ہوا کہ دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف کردیں، اور الحمدللہ باعثِ مسرت بات یہ ہے کہ ہر سال ان کی کتب منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے میرے والد صاحب کو حضرت مفتی صاحب کی بیشمار علمی خدمات اور تصنیفی کارناموں کا ذریعہ بنایا۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے قلم میں مزید برکت عطا فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ اپنے بندوں کو ان کی تالیف وتصنیف وتدریس وافتاء سے نفع پہنچائیں۔ انه علی کل شئ قدیر وبالاجابة جدیر.

عبدالرحمٰن الکوثر

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کوثر صاحب حفظہ اللہ

ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری نوراللہ مرقدہٗ

خادم القرآن الکریم بالمسجد النبوی الشریف

واستاذ جامعہ طیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقل وشعور کی سوغات

حضرت مولانا ابوسجاد صدیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ
استاذ الحدیث جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

الحمدُ لحضرة الجلالة والصّلوٰة والسّلام علیٰ خاتم الرّسالة وعلیٰ آلہٖ وصحبه ومن تبعهم باحسان الیٰ یوم القیامة. اما بعد!

کہتے ہیں:

''علم اور کتاب کے لئے زوال نہیں ہوتا، سلطنتیں ختم ہو جاتی ہیں مگر لکھی ہوئی کتابیں اور پھیلایا ہوا علم جریدۂ عالم پر نقشِ دوام حاصل کر لیتا ہے۔''

رفیق باتوفیق محترم حضرت مفتی مولانا عاصم عبداللہ زید مجدہم نے نہایت سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کتابوں کی سلطنت کو اپنا پایۂ تخت بنایا ہوا ہے۔ اور نت نئے موضوعات پر تصنیفات کا سفر جاری رکھا ہوا ہے۔ ایک نفیس جدت پسند طبیعت کے مالک ہونے کے ناطے بڑے اچھوتے، منفرد، ممتاز، مضامین کا نہایت عمدگی سے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے پورے لوازمات وتقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے سنہرے موضوعات کی مالا میں ''سنہرے واقعات'' کا حالیہ اضافہ نہایت لائق تبریک ہے۔

نہایت مستند، حیرت انگیز اور معلومات افزا منفرد نوعیت کے واقعات پر مشتمل یہ کتاب یگانۂ روزگار کاوش ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے یقیناً انسانی شعور میں پختگی، اچھے برے کی پرکھ اور جانکاری، اور انسانی حیات وکائنات کے زیر وبم کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھنے کی صلاحیت اور لیاقت پیدا ہوگی۔

اقوام سابقہ کے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات سے انسان آفاق والنفس کی نشانیوں کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

اس کتاب سے نہ صرف علم اور معلومات میں بیش بہا اور گرانقدر اضافہ ہوگا بلکہ ایک ایسے شہر علم میں خود کو موجود محسوس کرے گا جہاں تاریخ کے ہر دور کے علماء، عقلا، صلحاء اور ارباب دین ودانش کی روحیں موجود ہوتی ہیں۔

مطالعہ کے لئے مستند، صحیح، کتابیں معاشرے کی اہم ضرورت ہے کیونکہ صحیح مستند کتابیں ہی انسانی عقل وشعور کے سفینے کو ساحل تک پہنچا سکتی ہیں۔ غلط اور ضعیف اور غیر مستند کتابیں انسانی کو گمراہی کے بھنور میں بھی دھکیل سکتی ہیں، راہ دکھانے کے بجائے گم کردہ راہ بھی بناتی ہیں، رہبری کے بجائے رہزنی کرسکتی ہیں۔ لہٰذا صحیح اور مستند کتابیں معاشرے کے عقل وشعور کی انتہائی ضروری غذا اور خوراک ہے۔

میرے رفیق محترم کی یہ کاوش ''سنہرے واقعات'' ایک عظیم گرانقدر ''سوغات'' ہے جسے انہوں نے انسانی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے عقل وشعور کی ہدایت ورہنمائی کے لئے پیش ہے۔

اللہ موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور ہر خاص وعام کے لئے اس کتاب کو مفید اور ذریعۂ نور وفلاح بنائے۔ آمین

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم و آلہ وصحبہ اجمعین.

احقر الافقر

ابوسجاد صدیق احمد

استاذ الحدیث جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی

۲۱ / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ

۲۰ / اپریل ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا عَلٰی سَائِرِ الاُمَمِ بِرِسَالَةِ مَنِ اخْتَصَّهُ مِنْ بَیْنِ الْاَنَامِ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَجَوَاهِرِ الحِکَمِ صَلَّی اللّٰه تعالیٰ عَلَیْه، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ مَا نَطَقَ اللِّسَانُ بِمَدْحِهٖ وَنَسخ القَلَم.

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ اللہ جس نے ہمیں تمام امتوں پر فضیلت دی ایسی ذات کے رُسول بنانے کے ساتھ کہ جس کو خاص کیا لوگوں کے درمیان سے جملوں کی جامعیت کے ساتھ اور حکمتوں کے موتیوں کے ساتھ، اللہ تعالیٰ اُن پر اور ان کی اولاد پر اور صحابہ پر رحمت کاملہ اور برکتیں اور سلامتی نازل فرمائیں، جب تک زبان ان کی تعریف کے ساتھ بولتی رہے اور جب تک قلم لکھتا رہے۔''

اما بعد!

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اور والدین کی دعائیں ہے کہ اس نے درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی کے شغل کے ساتھ تصنیف و تالیف کا شوق بھی بندہ کو ودیعت فرمایا۔ فله الحمد و المنة

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور ان گنت درود وسلام خاتم الانبیاء والمرسلین پر جنہوں نے بار امانت کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ پیش نظر کتاب ''سنہرے واقعات'' یہ میری کوئی ذاتی تصنیف وتالیف نہیں بلکہ اس کتاب میں میری حیثیت چند بکھرے ہوئے اوراق کو جمع کر کے ایک تالیف میں جمع کر دینے کی حد تک ہے۔ اس میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ اللہ رب العزت کی ذات سے امید ہے پہلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی انشاء اللہ مقبول ہوگی۔

دوسری بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ان واقعات وحکایات کی صحت وضعف کا تعلق ہے۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ صرف وہی واقعات وحکایات ذکر کئے جائیں جو درست اور قابل اعتماد ہوں۔ تاہم اس کے باوجود اگر کوئی واقعہ ایسا سامنے آجائے جو تاریخی اعتبار سے درست نہ ہو تو قارئین سے درخواست ہے کہ بندۂ ناچیز کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ یہاں یہ بات ضرور عرض کرتا چلوں کہ اس کتاب کی حیثیت ماخذ ومرجع کی نہیں ہے، یہ تو ہماری سنہری تاریخ کے گمشدہ اوراق ہیں جن کو میں نے تاریخ کی کتابیں کھنگالنے کے بعد جمع کر دیا ہے۔

چنانچہ ہمارے اس سنہرے سلسلے کی چھ کتابیں ''سنہرے موتی، سنہرے

اوراق، سنہری کرنیں، سنہری شعائیں، سنہرے نقوش، سنہرے حروف منظر عام پر آ چکی ہیں، جو قارئین کرام میں بے حد مقبول ہوئیں، مذکورہ کتابوں کی اشاعت کے بعد پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اور میرے پاس قارئین کے خطوط، ٹیلی فون کالز کا تانا بندھ گیا، انہوں نے میرے وہم وگمان سے بڑھ کر میری حوصلہ افزائی کی، میری تصانیف کو بے پناہ پذیرائی بخشی، اور اصرار کیا کہ اس سنہری سلسلہ کو مزید آگے بڑھایا جائے، قارئین کے اصرار پر ہی ''سنہری سلسلہ'' کو مزید آگے بڑھایا گیا، اور سال بھر دوران مطالعہ جو واقعات، لطائف ونوادر سامنے آتے گئے، انہیں نشان زد کر کے کمپوزر کے حوالہ کرتا گیا، جب ایک کتاب کے بقدر مضامین کمپوز ہو چکے تو انہیں طباعت کے لئے پریس بھجوا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کتابوں کی تالیف میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، ان تصانیف کی تیاری کا سہرا قارئین کے سر جاتا ہے، جن کی حوصلہ افزائی اور اصرار ہی سے یہ کتب ظہور پذیر ہوئی ہیں، اگر قارئین کا اصرار نہ ہوتا تو یقیناً یہ ''سنہری سلسلہ'' سنہرے موتی یا سنہرے اوراق پر ہی موقوف ہو چکا ہوتا، مزید آگے نہ بڑھتا۔ بہرحال یہ تازہ تصنیف ''سنہرے سلسلہ'' کی ساتویں کڑی ہے، جسکا اکثر وبیشتر حصہ انبیاء علیہم السلام کے حالات، نبیٔ کریم ﷺ کے غزوات اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات پر مشتمل ہے، میں نے اس کا نام ''سنہرے واقعات'' تجویز کیا

ہے۔ جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس معمولی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے دینی افادیت اور ہدایت کا سبب بنائیں اور ہمارے لئے دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنائیں اور ہمیں سرکارِ دوعالم ﷺ کے نقش چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم یارب العالمین

رب انّی جئت ببضاعة مزجاة فأوف لِی الکیل وتصدق علیَّ انک تجزی وتحب المتصدقین وتقبل من عبدک المذنب کما تقبلت من عبادک المخلصین.
وصلی اللّٰہ علی النبی الامی وعلی الہ وصحبه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

احقر العباد

عاصم عبداللہ

۲۴ رجمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

۲۵ راپریل ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم کا اعجاز

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کو مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں، شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے گنے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں، مگر جب دیکھا کہ ''ایمان وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے'' تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت وحکومت اور بہترین حسن و جمال کی لڑکیوں کی پیش کش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں، آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفاء فرمایا، جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ ومقابلہ کے لیے تیار ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریش عرب نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سردھڑ کی بازی لگائی، جان و مال، اولاد، آبرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار ہوئے، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطریں لکھ کر مقابلہ

کے لئے پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا، اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر اُن میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف کے محروم رہے، قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے، میں اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل، بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا، جب رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا اور حج کا موسم آیا تو قریشِ مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطرافِ عرب سے حجاج آئیں گے اور رسولِ کریم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے، تو فریفتہ ہو جائیں گے اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لیے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، اُن میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطرافِ ملک سے لوگ آئیں گے، اور ہم سے محمد ﷺ کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہی بات کہہ

دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہئے؟

لوگوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں کہ محمد ﷺ معاذ اللہ مجنون ہیں، اُن کا کلام مجنونانہ بڑ ہے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب اُن کے پاس جائیں گے، اور اُن سے ملاقات و گفتگو کریں گے، اور ان کو ایک فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو اُنہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں ولید نے اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین و جنات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں، ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ اُن کا کلام سنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کسی کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے اُن کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

''خدا کی قسم! تم میں کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعارِ عرب سے میرے برابر واقف نہیں، خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا''۔

پھر اُن کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلائیے پھر ہم کیا کریں؟ اور اُن کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا،

پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم اُن کو ساحر کہو کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہوگئی، اور سب سے یہی کہنا شروع کیا، مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطراف عرب کے لوگ آئے قرآن سنا اور بہت سے مسلمان ہوگئے اور اطرافِ عرب میں اسلام پھیل گیا۔ (خصائص کبریٰ)

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا:

''اے قومِ قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد ﷺ تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے اور تم سب اُن کی عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں اُن کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے اب جب کہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثل کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔

اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان

کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹال دینے کی چیز نہیں۔

(خصائص کبریٰ ص : ۱۱۴، ج:۱)

راہِ حق کی تلاش

حضرت ابوذر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی انیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا، اس نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں، ان کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا اور مسجدِ حرام میں آ کر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔ (خصائص ص : ۱۱۶، ج:۱)

واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں، اور کاہنوں کے کلمات اور حمیرَ کے مقالات بہت سنے ہیں، محمد ﷺ کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی، تم سب میری بات مانو، اور آپ

ﷺ کا اتباع کرو، چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ (خصائص ص ۱۱۶، ج:۱)

اسلام اور آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے، اور اس کے عجیب وغریب، بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر جب قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے، وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جب کہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں، میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص)

دشمنانِ اسلام کا چھپ چھپ کر قرآن کریم سننا

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شُریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لیے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گذر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے

لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سن کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گذر گئی، اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت وحلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کردیا، پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شُریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا، کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہنچا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنوعبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے، قوم کی سیادت وقیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت وبخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے ان سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے،

یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔

ان حالات میں اُن کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں، اس لیے ہم نے تو یہ طے کرلیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ (خصائص ص:۱۱۵، ج:۱)

اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں ابو حازم کی حق گوئی

مسند دارمی میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ طیبہ پہنچے اور چند روز قیام کیا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ مدینہ طیبہ میں اب کوئی ایسا آدمی موجود ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ لوگوں نے بتلایا، ہاں ابو حازم ایسے شخص ہیں، سلیمان نے اپنا آدمی بھیج کر ان کو بلوالیا، جب وہ تشریف لائے تو سلیمان نے کہا کہ اے ابو حازم یہ کیا بے مروتی اور بے وفائی ہے؟ ابو حازم نے کہا: آپ نے میری کیا بے مروتی اور بے وفائی دیکھی ہے؟ سلیمان نے کہا کہ مدینہ کے سب مشہور لوگ مجھ سے ملنے آئے، آپ نہیں آئے، ابو حازم نے کہا، امیر المومنین میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ آپ کوئی ایسی بات کہیں جو واقعہ کے خلاف ہے، آج سے پہلے نہ آپ مجھ سے واقف تھے اور نہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا، ایسے حالات میں خود ملاقات کے لیے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بے وفائی کیسی؟

سلیمان نے جواب سن کر ابن شہاب زہری اور حاضرین مجلس کی طرف التفات کیا، تو امام زہری نے فرمایا کہ ابو حازم نے صحیح فرمایا، آپ نے غلطی کی۔

اس کے بعد سلیمان نے روئے سخن بدل کر کچھ سوالات شروع کیے اور کہا: اے ابو حازم! یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے گھبراتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخرت کو ویران اور دنیا کو آباد کیا ہے، اس لیے آبادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں۔

سلیمان نے تسلیم کیا اور پوچھا کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ نیک عمل کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح جائے گا جیسے کوئی مسافر سفر سے واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے اور برے عمل کرنے والا اس طرح پیش ہوگا، جیسا کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑ کر آقا کے پاس حاضر کیا جائے۔

سلیمان یہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کیا صورت تجویز کر رکھی ہے، ابو حازم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو اللہ کی کتاب پر پیش کرو تو پتہ لگ جائے گا۔

سلیمان نے دریافت کیا کہ قرآن کی کس آیت سے یہ پتہ لگے گا؟ فرمایا اس آیت سے :

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ .

’’یعنی بلا شبہ نیک عمل کرنے والے جنت کی نعمتوں میں ہیں، اور نافرمان، گناہ شعار دوزخ میں‘‘۔

سلیمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بڑی ہے، وہ بدکاروں پر بھی حاوی ہے، فرمایا:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ .

’’یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے‘‘۔

سلیمان نے پوچھا اے ابو حازم اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ کون عزت والا ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو مروت اور عقلِ سلیم رکھنے والے ہیں۔

پھر پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ۔

پھر دریافت کیا کہ کونسی دعاء زیادہ قابلِ قبول ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص پر احسان کیا گیا ہو اس کی دعاء اپنے محسن کے لیے اقرب الی القبول ہے۔

پھر دریافت کیا کہ صدقہ کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ مصیبت زدہ سائل کے لیے باوجود اپنے افلاس کے جو کچھ ہو سکے، اس طرح خرچ کرنا کہ نہ اس سے پہلے احسان جتائے اور نہ ٹال مٹول کر کے ایذا پہنچائے۔

پھر دریافت کیا کہ کلام کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص سے تم کو خوف ہو یا جس سے تمہاری کوئی حاجت ہو اور امید وابستہ ہو اس کے سامنے بغیر کسی رو رعایت کے حق بات کہہ دینا۔

پھر دریافت کیا کہ کونسا مسلمان سب سے زیادہ ہوشیار ہے؟ فرمایا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت کام کیا ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی ہو۔

پھر پوچھا کہ مسلمانوں میں کون سا شخص احمق ہے؟ فرمایا وہ آدمی جو اپنے کسی بھائی کی اس کے ظلم میں امداد کرے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس نے دوسرے کی دنیا درست کرنے کے لیے اپنا دین بیچ دیا، سلیمان نے کہا کہ صحیح فرمایا۔

اس کے بعد سلیمان نے اور واضح الفاظ میں دریافت کیا کہ ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابو حازمؒ نے فرمایا کہ مجھے اس سوال سے معاف رکھیں تو بہتر

ہے، سلیمان نے کہا کہ نہیں، آپ ضرور کوئی نصیحت کا کلمہ کہیں۔

ابو حازمؒ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین تمہارے آبا و اجداد نے بزور شمشیر لوگوں پر تسلط کیا اور زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت قائم کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ اب وہ مرنے کے بعد کیا کہتے ہیں، اور ان کو کیا کہا جاتا ہے۔

حاشیہ نشینوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کے مزاج کے خلاف ابو حازمؒ کی اس صاف گوئی کو سن کر کہا کہ ابو حازم تم نے یہ بہت بری بات کہی ہے، ابو حازمؒ نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو، بری بات نہیں کہی، بلکہ وہ بات کہی جس کا ہم کو حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے اس کا عہد لیا ہے کہ حق بات لوگوں کو بتائیں گے چھپائیں گے نہیں،

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ .

یہی وہ بات ہے جس کے لیے یہ طویل حکایت امام قرطبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں درج فرمائی ہے۔

سلیمان نے پھر سوال کیا کہ اچھا اب ہمارے درست ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ تکبر چھوڑو، مروت اختیار کرو، اور حقوق والوں میں ان کے حقوق انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔

سلیمان نے کہا کہ ابو حازم کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں، فرمایا: خدا کی پناہ سلیمان نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا کہ اس لیے کہ مجھے خطرہ یہ ہے کہ میں تمہارے مال و دولت اور عزت و جاہ کی طرف کچھ مائل ہو جاؤں، جس کے نتیجہ میں

مجھے عذاب بھگتنا پڑے۔

پھر سلیمان نے کہا کہ اچھا آپ کی کوئی حاجت ہو تو بتلائیے کہ ہم اس کو پورا کریں؟ فرمایا: ہاں ایک حاجت ہے کہ جہنم سے نجات دلا دو اور جنت میں داخل کر دو، سلیمان نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں، فرمایا کہ پھر مجھے آپ سے اور کوئی حاجت مطلوب نہیں۔

آخر میں سلیمان نے کہا کہ اچھا میرے لیے دعا کیجئے، تو ابو حازم نے یہ دعا کی: یا اللہ! اگر سلیمان آپ کے ہاں پسندیدہ ہے تو اس کے لیے دنیا وآخرت کی بہتری کو آسان بنادے، اور اگر وہ آپ کا دشمن ہے تو اس کے بال پکڑ کر اپنی مرضی اور محبوب کاموں کی طرف لے آ۔

سلیمان نے کہا کہ مجھے کچھ وصیت فرمادیں، ارشاد فرمایا کہ: اپنے رب کی عظمت وجلال اس درجہ میں رکھو، کہ وہ تمہیں اس مقام پر نہ دیکھے جس سے منع کیا ہے اور اس مقام سے غیر حاضر نہ پائے جس کی طرف آنے کا اس نے حکم دیا ہے۔

سلیمان نے اس مجلس سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰۰ گنیاں بطور ہدیہ کے ابو حازم کے پاس بھیجیں، ابو حازم نے ایک خط کیساتھ اُن کو واپس کر دیا، خط میں لکھا تھا کہ اگر یہ سو دینار میرے کلمات کا معاوضہ ہیں تو میرے نزدیک خون اور خنزیر کا گوشت اس سے بہتر ہے، اور اگر اس لیے بھیجا ہے کہ بیت المال میں میرا حق ہے تو مجھ جیسے ہزاروں علماء اور دین کی خدمت کرنے والے ہیں، اگر سب کو آپ نے اتنا ہی دیا ہے تو میں بھی لے سکتا ہوں، ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

وادی تیہ میں بنی اسرائیل کے چالیس برس اور خدائی انعامات کی بارش

وادی تیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آئے تھے، اور یہاں ہی رہ پڑے، اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہوگیا، فرعون جب غرق ہوگیا اور یہ لوگ مطمئن ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو، اور اپنی اصلی جگہ کو اُن کے قبضہ سے چھڑالو، بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے، اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے، گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ میدان کچھ بہت بڑا رقبہ نہ تھا، بلکہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ کوس یعنی تقریباً دس میل کا رقبہ تھا، روایت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن مصر جانے کے لیے دن بھر سفر کرتے اور رات کو کسی منزل پر اترتے صبح کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں، اسی طرح چالیس سال سرگرداں و پریشاں اس میدان میں پھرتے رہے، اسی لیے اس میدان کو وادی تیہ کہا جاتا ہے، تیہ کے معنی ہین سرگردانی اور پریشانی کے۔

یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا، نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت، جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جاسکے، اور نہ یہاں کوئی کھانے پینے کا سامان تھا، نہ پہننے کے لیے لباس، مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرمادیا، بنی اسرائیل نے دھوپ کی

شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید رقیق ابر کا سایہ کر دیا، اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من وسلویٰ نازل فرمادیا، یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کردی، یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے، اسی کو من کہا گیا ہے، اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں، اُن سے بھاگتی نہ تھیں، یہ ان کو پکڑ لیتے، اور ذبح کر کے کھاتے اس کو ''سلویٰ'' کہا گیا ہے یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی، اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے، لہٰذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں ان کو پانی کی ضرورت پیش آتی تو موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا اس پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے جیسا کہ دوسری آیات قرآنی میں مذکور ہے ان لوگوں نے رات کی اندھیری کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک روشنی عمودی شکل میں ان کے محلّہ کے درمیان قائم فرمادی، کپڑے میلے ہوئے اور پھٹنے لگے اور لباس کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بطور اعجاز یہ صورت کردی کہ ان کے کپڑے میلے ہوں نہ پھٹیں، اور بچوں کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ ان کے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہیں۔

ہاروت وماروت دوفرشتے، اور ان کے جادو سکھلانے کی حکمت

ایک زمانے میں جس کی پوری تعیین میں کوئی محققانہ رائے اس وقت سامنے نہیں، دنیا میں اور خصوصاً بابل میں جادو کا بہت چرچا تھا، اور اس کے عجیب اثرات کو دیکھ کر جاہلوں کو اس کی حقیقت اور انبیاء کرام کے معجزات کی حقیقت میں اختلاط و اشتباہ ہونے لگا، اور بعض لوگ جادوگروں کو مقدس اور قابلِ اتباع سمجھنے لگے، اور بعض

لوگ جادو کو نیک کام سمجھ کر اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے، جیسا موجودہ دور میں مسمریزم کے ساتھ لوگوں کا معاملہ ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اشتباہ اور غلطی کے رفع کرنے کے لیے بابل میں دو فرشتے ہاروت و ماروت نامی اس کام کے لیے بھیجے کہ لوگوں کو سحر کی حقیقت اور اس کے شعبوں سے مطلع کردیں تاکہ اشتباہ جاتا رہے، اور جادو پر عمل کرنے نیز جادوگروں کی پیروی سے اجتناب کرسکیں، اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو معجزات و دلائل سے ثابت کردیا جاتا ہے، اسی طرح ہاروت و ماروت کے فرشتہ ہونے پر دلائل قائم کردیئے گئے تاکہ ان کے احکامات وارشادات کی تعمیل واطاعت ممکن ہو۔

اور یہ کام انبیاء کرام سے اس لیے نہیں لیا گیا کہ اول تو انبیاء اور جادوگروں میں امتیاز و فصل کرنا مقصود تھا، ایک حیثیت سے گویا انبیاء کرام ایک فریق کا درجہ رکھتے تھے، اس لیے حکم فریقین کے علاوہ کوئی اور ثالث ہونا مناسب تھا۔

دوسرے اس کام کی تکمیل بغیر جادو کے الفاظ کی نقل وحکایت کے عادۃً ہو نہ سکتی تھی، اگرچہ "نقل کفر کفر نباشد" کے عقلی ونقلی مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسا ہوسکتا تھا، مگر چونکہ حضرات انبیاء کرام مظہرِ ہدایت ہوتے تھے، اس لیے ان سے یہ کام لینا مناسب نہ سمجھا گیا، لہٰذا فرشتوں کو اس کام کے لیے تجویز کیا گیا، کیونکہ کارخانہ تکوین میں جو خیر وشر سب پر مشتمل ہوتا ہے، ان فرشتوں سے ایسے کام بھی لیے جاتے ہیں جو مجموعہ عالم کے اعتبار سے تو بوجہ مصالحِ عامہ خیر ہوں، لیکن لزوم مفسدہ کے سبب فی ذاتہ شر ہوں، جیسے کسی ظالم وجابر یا موذی جانور وغیرہ کی نشو ونما اور غور و پرداخت! کہ تکوینی اعتبار سے تو درست ومحمود ہے اور تشریعی لحاظ سے

نادرست و مذموم، بخلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان سے خاص تشریعیات کا کام ہی لیا جاتا ہے جو خصوصاً و عموماً خیر ہی خیر ہوتا ہے اور گو کہ یہ نقل و حکایت مذکورہ غرض کے لحاظ سے ایک تشریعی کام ہی تھا، لیکن پھر بھی بوجہ احتمال قریب اس امر کے کہ کہیں یہ نقل و حکایت بھی جادو پر عمل کا سبب نہ بن جائے، جو کہ واقع میں ہوا، تو حضرات انبیاء کو اس کا سبب بواسطہ نقل بنانا بھی پسند نہیں کیا گیا۔

البتہ کلیات شرعیہ سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ بھی اس مقصود کی تکمیل کردی گئی، ان کلیات کے جزئیات کی تفصیلات بوجہ احتمال فتنہ انبیاء کرام کے ذریعہ بیان نہیں کی گئیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً انبیاء کرام نے یہ بتایا ہے کہ رشوت لینا حرام ہے، اور اس کی حقیقت بھی بتلادی، لیکن یہ جزیات نہیں بتلائے، کہ ایک طریقہ رشوت کا یہ ہے کہ صاحبِ معاملہ سے یوں چال کر کے فلاں بات کہے، وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس طرح کی تفصیلات بیان کرنے سے تو لوگ اور ترکیبیں سیکھ سکتے ہیں، یا مثلاً اقسام سحر ہی میں مثال فرض کیجئے کہ قواعد کلیہ سے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ دستِ غیب کا عمل جس میں تکیہ کے نیچے یا جیب میں رکھے ہوئے روپے مل جائیں ناجائز ہے، لیکن یہ نہیں بتلایا کہ فلاں عمل پڑھنے سے اس طرح روپے ملنے لگتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ فرشتوں نے بابل میں آ کر اپنا کام شروع کردیا، کہ سحر کے اصول و فروع ظاہر کر کے لوگوں کو اس کے عملِ بد سے بچنے کی اور ساحرین سے نفرت و دوری رکھنے کی تنبیہ اور تائید کی، جیسے کوئی عالم دیکھے کہ جاہل لوگ اکثر نادانی سے کفریہ کلمات بک جاتے ہیں، اس لیے وہ تقریراً یا تحریراً ان کلمات کو جو اس وقت شائع ہیں جمع کر کے عوام کو مطلع کردے کہ دیکھو یہ کلمات بچنے کے لائق ہیں ان سے احتیاط رکھنا۔

جب فرشتوں نے کام شروع کیا تو وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں کی آمد ورفت ان کے پاس شروع ہوئی، اور وہ درخواست کرنے لگے کہ ہم کو بھی ان اصول وفروع سے مطلع کردیجیے تاکہ ناواقفی سے کسی اعتقادی یا عملی فساد میں مبتلا نہ ہوجائیں، اس وقت فرشتوں نے بطور احتیاط وتبلیغ اور بنظر اصلاح یہ التزام کیا کہ اصول وفروع بتانے سے قبل یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو ہمارے یہ بتانے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش بھی مقصود ہے کہ دیکھیں ان چیزوں پر مطلع ہوکر کون شخص اپنے دین کی حفاظت واصلاح کرتا ہے، کہ شر سے آگاہ ہوکر اس سے بچے، اور کون اپنا دین خراب کرتا ہے کہ اس شر پر مطلع ہوکر وہی شر خود اختیار کرلے، جس کا انجام کفر ہے، خواہ کفر عملی ہو یا اعتقادی، دیکھو ہم تم کو نصیحت کیے دیتے ہیں کہ اچھی نیت سے اطلاع حاصل کرنا اور پھر اسی نیت پر ثابت قدم رہنا، ایسا نہ ہو کہ ہم سے تو یہ کہہ کر سیکھ لو کہ میں بچنے کے لیے پوچھ رہا ہوں، اور پھر اس کی خرابی میں خود ہی مبتلا ہوجاؤ اور ایمان برباد کرلو۔

اب ظاہر ہے کہ وہ اس سے زیادہ خیر خواہی اور کیا کرسکتے تھے، غرض جو کوئی ان سے اس طرح عہد وپیمان کرلیتا وہ اس کے روبرو جادو کے سب اصول وفروع بیان کردیتے تھے، کیونکہ ان کا کام ہی یہ تھا، اب اگر کوئی عہد شکنی کرکے اپنے ارادہ واختیار سے کافر وفاجر بنے وہ جانے۔ چنانچہ بعضے اس عہد پر قائم نہ رہے اور اس جادو کو مخلوق کی ایذارسانی کا ذریعہ بنالیا، جو فسق تو یقیناً ہے اور بعضے طریقے اس کے استعمال کے کفر بھی ہیں، اس طرح سے فاجر کافر بن گئے۔

اس ارشاد اصلاحی اور پھر مخاطب کے خلاف کرنے کی مثال اس طرح ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی جامع معقول ومنقول، عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو قدیم یا

جدید فلسفہ پڑھا دیجئے، تا کہ خود بھی ان شبہات سے محفوظ رہوں جو فلسفہ میں اسلام کے خلاف بیان کیے جاتے ہیں، اور مخالفین کو بھی جواب دے سکوں، اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے اور پھر خود ہی خلافِ شرع عقائدِ باطلہ کو تقویت دینے میں اس کو استعمال کرنے لگے، اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کر لے، اور اس لیے اس کو پڑھا دیا جاوے، لیکن وہ شخص فلسفہ کے خلافِ اسلام نظریات وعقائد ہی کو صحیح سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس کی اس حرکت سے اس معلم پر کوئی ملامت یا برائی عائد نہیں ہو سکتی، اسی طرح اس اطلاع سحر سے ان فرشتوں پر بھی نہ کسی شبہ کی گنجائش ہے نہ وسوسہ کی۔

اور اس فرض کی تکمیل کے بعد غالباً وہ فرشتے آسمان پر بلا لیے گئے ہوں گے، واللہ اعلم بحقیقہ الحال۔ (بیان القرآن)

ابراہیم علیہ السلام کا امتحان در امتحان اور ہر امتحان میں کامیابی

حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خُلت کا خلعتِ خاص عطا فرمایا جائے، اس لیے ان کو سخت امتحانات سے گذارا گیا، ان کی پوری قوم حتیٰ کہ اپنا خاندان سب کے سب بت پرستی میں مبتلا تھے سب کے عقائد ورسوم سے مختلف ایک دین حنیف ان کو عطا کیا گیا، اور اس کی تبلیغ اور قوم کو اس کی طرف دعوت دینے کا بار گراں آپ پر ڈالا گیا، آپ نے پیغمبرانہ جرأت وہمت کے ساتھ بے خوف وخطر قوم کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی طرف بلایا، بت پرستی کی شرمناک رسم کی خرابیاں مختلف عنوانات سے بیان کیں، عملی طور پر بتوں کے خلاف جہاد کیا، پوری قوم کی قوم آمادۂ جنگ وجدال ہوگئی، بادشاہِ وقت نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو آگ میں ڈال کر زندہ

جلا دینے کا فیصلہ کرلیا، اللہ کے خلیل علیہ السلام نے اپنے مولا کی رضا مندی کے لئے ان سب بلاؤں پر راضی ہوکر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دینے کے لیے پیش کردیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو امتحان میں کامیاب پایا تو آگ کو حکم دیا۔

قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلاَمًا عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ

''ہم نے حکم دے دیا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور ذریعہ سلامتی بن جا۔''

جس وقت یہ حکم خداوندی آتشِ نمرود کے متعلق آیا تو حکم کے الفاظ عام تھے، کسی خاص آگ کی تعیین کر کے حکم نہیں دیا گیا تھا، اس لیے پوری دنیا میں جہاں آگ موجود تھی اس حکم خداوندی کے آتے ہی اپنی اپنی جگہ ہر آگ ٹھنڈی ہوگئی اور نارِ نمرود بھی اس امر کا فرد بن کر ٹھنڈی پڑ گئی۔

قرآن میں لفظ بَرْدًا کے ساتھ سَلاَمًا کا اضافہ اس لیے فرمایا گیا کہ کسی چیز کی ٹھنڈک حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ بھی برف کی طرح تکلیف دہ بلکہ مہلک ہوجاتی ہے، اگر لفظ سلاماً ارشاد نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ آگ برف کی طرح ایسی ٹھنڈی ہوجاتی جو بجائے خود ایک عذاب بن جاتی جیسے جہنم میں ایک عذاب زمہریر کا بھی ہے۔

اس امتحان سے فارغ ہوکر دوسرا امتحان یہ لیا گیا کہ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر جائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضائے خدا وندی کی تڑپ میں قوم و وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا اور مع اہل وعیال ہجرت کر کے شام میں چلے آئے!

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند وعیال وخانماں راچہ کند

اب تو م ووطن کو چھوڑ کر ملکِ شام میں قیام کیا ہی تھا کہ یہ حکم ملا کہ بی بی ھاجرہ رضی اللہ عنہا اوران کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر یہاں سے بھی کوچ کریں۔ (ابن کثیر)

جبرائیل امین آئے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلے، راستہ میں جہاں کوئی سرسبز جگہ آتی تو حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے کہ یہاں ٹھہرا دیا جائے، جبرئیل فرماتے ہیں کہ یہاں کا حکم نہیں، منزل آگے ہے، جب وہ خشک پہاڑ اورگرم ریگستان آجاتا ہے جہاں آگے کسی وقت بیت اللہ کی تعمیر اورشہرِ مکہ کی بستی بسانا مقدر تھا، اس ریگستان میں آپ کو اتار دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خلیل اپنے پروردگار کی محبت میں مسرور ومگن اسی چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ جنگل میں بی بی کو لے کر ٹھہر جاتے ہیں، لیکن یہ امتحان اسی پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملتا ہے کہ بی بی اور بچے کو یہیں چھوڑ دیں، اور خود ملکِ شام کو واپس ہو جائیں، اللہ کا خلیل حکم پاتے ہی اس کی تعمیل میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور شام کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، تعمیل حکم میں اتنی تاخیر بھی گوارہ نہیں کہ بیوی کو یہ اطلاع ہی دے دے کہ مجھے چونکہ خدا کا یہ حکم ملا ہے اس لیے میں جارہا ہوں، حضرت ہاجرہ علیہا السلام جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو پکارتی ہیں، مگر آپ جواب نہیں دیتے، پھر پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس لق ودق میدان میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ اس کا بھی جواب نہیں دیتے، مگر وہ بی بی بھی خلیل اللہ کی بی بی تھیں، سمجھ گئیں کہ ماجرا کیا ہے اور کہنے لگیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، حضرت ھاجرہ علیہا السلام کو بھی جب حکم خداوندی کا علم ہو گیا،

تو نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ جایئے جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم فرمایا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔

اب حضرت ھاجرہ علیہا السلام اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ اس لق و دق جنگل میں وقت گذارنے لگتی ہیں، پیاس کی شدت پانی کی تلاش پر مجبور کرتی ہے، بچے کو کھلے میدان میں چھوڑ کر، صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بار بار چڑھتی اترتی ہیں کہ کہیں پانی کے آثار نظر آئیں، یا کوئی انسان نظر آجائے جس سے کچھ معلومات حاصل کریں، سات مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد مایوس ہو کر بچے کے پاس لوٹ آتی ہیں، صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا اسی کی یادگار کے طور پر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے احکام حج میں ضروری قرار دیا گیا ہے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنی دوڑ دھوپ ختم کرنے اور مایوس ہونے کے بعد جب بچے کے پاس آتی ہیں تو رحمتِ خداوندی نازل ہوتی ہے، جبرئیل امین آتے ہیں اور اس خشک ریگستان کی زمین سے پانی کا ایک چشمہ نکال دیتے ہیں، جس کا نام آج زمزم ہے، پانی کو دیکھ کر اول جانور آجاتے ہیں، پھر جانوروں کو دیکھ کر انسان پہنچتے ہیں اور مکہ کی آبادی کا سامان ہو جاتا ہے، ضروریات زندگی کی کچھ آسانیاں مہیا ہو جاتی ہیں۔

نومولود بچہ جن کو آج حضرت اسماعیل علیہ السلام کہا جاتا ہے نشو و نما پاتے ہیں اور کام کاج کے قابل ہو جاتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام باشاراتِ ربانی گاہ گاہ تشریف لاتے ہیں، اور بی بی و بچہ کو دیکھ جاتے ہیں، اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا تیسرا امتحان لیتے ہیں، یہ بچہ اس بے کسی اور بے سروسامانی میں پروان چڑھا، اور بظاہر اسباب باپ کی تربیت اور شفقت سے بھی محروم رہا، اب والد ماجد کو بظاہر یہ حکم ملتا ہے

اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردو۔ ارشادِ قرآنی ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یَا بُنَیَّ اِنِّیۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۡ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی، قَالَ یَاۤ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیۡ اِنْشَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ.

''جب بچہ اس قابل ہوگیا کہ باپ کے ساتھ کام کاج میں کچھ مدد دے سکے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے بیٹے میں خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتلا کہ تیرا کیا خیال ہے؟ فرزندِ سعید نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجیے آپ مجھے بھی اس کی تعمیل میں انشاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔''

اس کے بعد کا واقعہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لیے منیٰ کے جنگل میں لے گئے، اور اپنی طرف سے حکم حق جل وعلا شانہٗ کی پوری تعمیل کردی، مگر وہاں مقصود بچے کو ذبح کرانا نہیں بلکہ شفیق باپ کا امتحان کرنا تھا، واقعہ خواب کے الفاظ میں غور کیا جائے کہ اس میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کردیا، بلکہ ذبح کا عمل کرتے دیکھا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر دکھایا اور اس عمل کو بذریعہ وحی منام دکھلانے میں بھی شاید یہی مصلحت ہو کہ بذریعہ کلام حکم ذبح دینا منظور نہ تھا، اسی وجہ سے ارشاد یہ ہوا کہ:

صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا.

کہ خواب میں جو کچھ دیکھا تھا آپ نے اس کو پورا کردیا، جب اس میں وہ پورے اُترے، تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے اس کا فدیہ نازل فرما کر اس کی قربانی کا حکم

دے دیا اور یہ سنتِ ابراہیمی آنے والی دنیا کے لئے دائمی سنت بن گئی۔ یہ کڑے اور سخت امتحانات تھے جن میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو گذارا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیت اللہ کی تعمیر

تفسیر ابن کثیر میں ائمہ تفسیر حضرت مجاہدؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ملکِ شام میں مقیم تھے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے، جس وقت حق تعالیٰ کا ان کو یہ حکم ملا کہ ہم خانہ کعبہ کی جگہ آپ کو بتلاتے ہیں، آپ اس کو پاک صاف کر کے طواف و نماز سے آباد رکھیں، اس حکم کی تعمیل کے لیے جبریل امین براق لے کر حاضر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور اسماعیل علیہ السلام کو مع ان کی والدہ حضرت ھاجرہ کے ساتھ سفر کیا راستہ میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جبریل امین سے دریافت کرتے کہ کیا ہمیں یہاں اُترنے کا حکم ملا ہے، تو حضرت جبریل امین علیہ السلام فرماتے کہ نہیں آپ کی منزل آگے ہے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی، جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا، اس خطہ زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے جن کو عمالیق کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلہ کی شکل میں تھا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس جگہ پہنچ کر جبریل امین سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے تو فرمایا کہ ہاں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مع اپنے صاحبزادے اور حضرت ھاجرہ کے یہاں اُتر گئے، اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسماعیل اور ھاجرہ علیہما

السلام کو یہاں ٹھہرادیا، ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، اور ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت یہاں ٹھہرنے کا حکم نہ تھا وہ اس شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ کو حوالۂ خدا کر کے واپس ہونے لگے، جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ھاجرہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس لق ودق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں، جس میں نہ کوئی مونس ومددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔

حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے کوئی جواب نہ دیا، اور چلنے لگے، حضرت ہاجرہؓ ساتھ اٹھیں، پھر بار بار یہی سوال دُہرایا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے کوئی جواب نہ تھا، یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات پڑی، اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا ہے، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں سر ہلایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے۔

اس کو سن کر حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا کہ پھر آپ شوق سے جائیں، جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا، ابراہیم علیہ السلام بحکم خداوندی کی تعمیل میں یہاں سے چل کھڑے ہوئے مگر شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ کا خیال لگا ہوا تھا، جب راستہ کے موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہؓ نہ دیکھ سکیں تو ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی جو سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۳۵، ۳۷ میں اس طرح مذکور ہے:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ، اٰمِناً وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. (سورہ ابراهيم)

"اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔"

پھر دعا میں عرض کیا

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ.

''اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں، اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں، تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے، اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ شکر کریں۔''

واقعہ حضرت مریم علیہا السلام

انبیاء سابقین کی شریعت میں ایک طریقہ عبادت کا یہ بھی تھا کہ اپنی اولاد میں سے کسی بچے کو اللہ کے لئے مخصوص کر دیں کہ اس سے دنیا کی کوئی خدمت نہ لیں، حضرت مریم کی والدہ نے اسی قاعدہ کے مطابق اپنے حمل کے متعلق یہ منت مان لی کہ اس کو خاص بیت المقدس کی خدمت کے لئے رکھوں گی، دنیا کے کام میں نہ لگاؤں گی، مگر جب حمل سے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ خیال کر کے افسوس کیا کہ لڑکی تو یہ کام نہیں کر سکتی، مگر حق تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی برکت سے اس لڑکی ہی کو قبول فرما لیا اور اس کی شان ساری ساری دنیا کی لڑکیوں سے ممتاز کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ماں کو اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک گونہ ولایت

حاصل ہے، کیونکہ اگر ماں کو بچے پر ولایت حاصل نہ ہوتی تو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نذر نہ مانتیں، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں کو بھی حق ہے کہ اپنے بچے کا نام خود تجویز کرے۔ (خصائص)

فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتا حسنا و كفلها زكريا كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا قال يا مريم انى لك هذا قالت هو من عند الله ان الله يرزق من يشآء بغير حساب. (آل عمران:۳۷)

''پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو، جس وقت آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ کھانا، کہا: اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ، کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب''۔

حاصل یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاورین وعابدین سے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، جا کر کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص خدا کے کے لیے مانا ہے، اس لیے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، سو اس کو لائی ہوں، آپ لوگ رکھئے۔

حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے اور حالت حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ سب سے زیادہ مستحق ان کے لینے کے وہ تھے، لڑکی کے باپ بھی تھے اور مسجد بیت المقدس کے امام بھی، اس لیے بیت المقدس کے مجاورین اور عابدین میں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ

بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور وہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لیے بعد ماں کے وہی رکھنے کی مستحق ہے، مگر اور لوگ اس ترجیح پر راضی اور متفق نہیں ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق قرار پایا، اور صورت قرعہ کی بھی عجیب وغریب خلاف عادت ٹھہری، جس کا بیان آگے آئے گا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حضرت مریمؑ ان کو مل گئیں اور انہوں نے بعض روایات کے مطابق ایک انّا کو نوکر رکھ کر دودھ پلوایا اور بعض روایات میں ہے کہ دودھ پینے کی ان کو حاجت ہی نہیں ہوئی، غرض وہ خود اٹھنے بیٹھنے لگیں، ان کو مسجد کے متعلق ایک عمدہ مکان میں لاکر رکھا، جب کہیں جاتے اس کو قفل لگا کر جاتے، پھر آکر کھول لیتے۔

تاریخ تعمیر کعبہ

بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں، ان حضرات نے حکم کی تعمیل کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے، یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

(ابن کثیر)

ضعفه ابن كثير بابن لهيعه ولايخفى انه ليس بمتروك الحديث مطلقا ولا سيما فى هذا المقام فان الرواية قدتأيدت باشارات الكتاب .

بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر کعبہ نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی تھی، طوفان نوح میں منہدم ہوئی، اور اس کے نشانات مٹ گئے، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک مرتبہ کسی حادثہ میں اس کی تعمیر منہدم ہوئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر ایک مرتبہ منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی، اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا، لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے، اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے، ایک داخل ہونے کے لیے دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کے لیے قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ بیت اللہ کی سطح زمین سے کافی بلند کر دیا تا کہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جا سکے، بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جا سکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کیے ہیں ان کی اصلاح کر دوں، لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لیے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں، اس ارشاد کے بعد اس دنیا میں آپ کی حیات زیادہ نہیں رہی۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفائے راشدین کے بعد جس وقت مکہ

مکرمہ پر ان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کر کے ارشاد نبوی ﷺ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیا، مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت مکہ معظمہ پر چند روزہ تھی، ظالم الامۃ حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کیا اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح و ثناء کا ذریعہ بنا رہے، اس لیے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل غلط تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا ہمیں اسی حالت پر اس کو رکھنا چاہیے، اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح کی تعمیر بنا دی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی، حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ کو از سر نو حدیث رسول کریم ﷺ کے موافق بنا دیں، لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا، ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے یہی کام کرے گا، اس لیے اب جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے تمام امت نے اس کو قبول کیا، اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے، البتہ شکست و ریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

غزوہ احد کا مفصل واقعہ

رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں جنگ ہوئی، جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے جو حقیقتاً عذاب الٰہی کی پہلی قسط تھی

قریش کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے، تا کہ ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ سب نے منظور کیا اور ۳ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو بظاہر مسلمانوں میں شامل تھا، اس سے بھی رائے لی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق تھے مگر بعض پرجوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوقِ شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، تا کہ دشمن ہمارے بارے میں بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرتِ رائے اسی طرف ہوگئی۔

اس عرصہ میں آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے تو اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ ﷺ کو آپ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر جنگ کرنے پر مجبور کیا، یہ غلط ہوا، اس لیے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا منشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھیے۔ فرمایا:

''ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگالے

پھر بدون قتال کیے ہوئے بدن سے اتارے''۔

اس جملہ میں نبی اور غیر نبی کا فرق واضح ہو رہا ہے کہ نبی کی ذات سے کبھی کمزوری کا اظہار نہیں ہوسکتا اور اس میں امت کے لیے بھی ایک بڑا اسبق ہے۔

جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے، تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے، مگر منافق عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں ہم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں، اس کے ساتھیوں میں زیادہ تو منافقین ہی تھے، مگر بعض مسلمان بھی ان کے فریب میں آ کر ساتھ لگ گئے تھے۔

آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدان جنگ میں پہنچ گئے، آپ نے بہ نفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں، صف آرائی اس طرح کی کہ احد کو پشت کی جانب رکھا، اور دوسرے انتظامات اس طرح کیے کہ حضرت مصعب بن عمیر کو علم (جھنڈا) عنایت کیا، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو رسالہ کا افسر مقرر کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئے، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کیا اور حکم دیا کہ وہ پشت کی جانب ٹیلہ پر حفاظت کا کام سرانجام دیں، لڑنے والوں کی فتح وشکست سے تعلق نہ رکھیں اور اپنی جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے بھی ترتیب سے صف آرائی کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صف آرائی اور فوجی قواعد کے لحاظ سے نظم وضبط کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ امت کے رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے ساتھ سپہ سالار اعظم کے لحاظ سے بھی بے نظیر ہیں، آپ نے جس انداز میں مورچے قائم کیے اور لڑائی کا نظم قائم کیا اس وقت کی دنیا اس سے ناآشنا تھی اور آج جبکہ فن حرب ایک مستقل سائنس کی حیثیت اختیار کر گیا ہے وہ بھی آپ کے فوجی قواعد اور نظم وضبط کو سراہتا ہے، اسی حقیقت کو دیکھ کر ایک مسیحی مورخ بول اٹھا:

"برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت وشجاعت ہی رکھتے تھے محمد ﷺ نے کہنا چاہیے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی، مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند لڑائی کے مقابلہ میں خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم وضبط سے کام لیا"۔

یہ الفاظ بیسویں صدی کے ایک مورخ ٹام انڈر کے ہیں جو اس نے لائف آف محمد ﷺ میں بیان کی۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، ابتداء مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی، مسلمان سمجھے کہ فتح ہوگئی، مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے ادھر جن تیر اندازوں کو نبی کریم ﷺ نے پشت کی جانب حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن کی طرف آنے لگے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی کریم ﷺ کا تاکیدی حکم یاد دلا کر روکا، مگر چند آدمیوں کے سوا دوسروں نے کہا کہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل تو موقّت تھی اب ہمیں سب کے ساتھ مل جانا چاہیے، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو

ابھی مسلمان نہ تھے اوراس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کررہے تھے، بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب کے درہ سے حملہ کردیا، عبداللہ بن جبیر ﷛ اوران کے قلیل ساتھیوں نے اس حملہ کو ہمت وشجاعت سے روکنا چاہا، مگر مدافعت نہ کرسکے، اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پرٹوٹ پڑا، دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے، وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہوگئے اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصہ پراگندہ ہوکر میدان سے چلا گیا، تاہم کچھ صحابہؓ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑگئی کہ نبی کریم ﷺ شہید ہوگئے، اس خبر نے صحابہ کے رہے سہے ہوش وحواس بھی گم کردیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے اس وقت نبی کریم ﷺ کے گردوپیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپ خود بھی زخمی ہوگئے تھے، شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی کہ عین وقت پر صحابہ ﷡ کو معلوم ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ بسلامت تشریف رکھتے ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپ کے گرد جمع ہوگئے اور آپ کو بہ سلامت پہاڑی کی طرف لے گئے، اس شکست کے بعد مسلمان حد درجہ پریشان رہے اور عارضی شکست چند اسباب کا نتیجہ تھی، قرآن مجید نے ہر سبب پر جچے تلے الفاظ میں تبصرہ کیا اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی۔

لشکرِ اسلام اور لشکر کفر میں بنیادی فرق

کفار قریش جنگ احد میں عورتوں کو بھی لائے تھے، تاکہ مردوں کو پسپائی سے روک سکیں، نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ عورتیں ہندہ زوجہ ابوسفیان کی سربراہی میں اشعار گا کر مردوں کو جوش دلا رہی ہیں۔

ان تقبلوا نعانق و نفرش النمارق

او تدبروا نفارق فراق غیر وافق

''مطلب یہ تھا کہ اگر مقابلہ پر ڈٹے رہے اور فتح پائی تو ہم تم کو گلے لگائیں گے، اور تمہارے لیے نرم بستر بچھائیں گے، لیکن اگر تم نے پیٹھ موڑی تو ہم تم کو بالکل چھوڑ دیں گے''۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ دعائیہ جاری تھے :

اللھم بک اصول و بک اقاتل حسبی اللہ و نعم الوکیل .

''اے اللہ میں تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے حملہ کرتا ہوں اور تیرے ہی دین کے لیے قتال کرتا ہوں اور اللہ ہی کافی ہے وہ بڑا اچھا کارساز ہے''۔

اس دعا کا ایک ایک لفظ تعلق مع اللہ کی تاکید اور مسلمانوں کے تمام افعال و اعمال حتیٰ کہ جنگ وقتال کو بھی دیگر اقوام کے جنگ وقتال سے ممتاز کر رہا ہے۔

صحابۂ کرام کی شجاعت کے چند نمونے

غزوہ احد میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہادری وشجاعت، و جان نثاری اور فدائیت کے وہ نقوش چھوڑے کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم کو حضور ﷺ کے لیے ڈھال بنالیا تھا کہ ہر آنے والا تیر اپنے سینہ پر کھاتے تھے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح اپنے بدن کو چھلنی کرالیا تھا، لیکن حضور کی رفاقت کو نہیں چھوڑا، حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن

النضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے غیر حاضر رہے تھے اس لیے ان کو اس کا افسوس تھا، آرزو کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں اگر کوئی موقع ہاتھ آیا تو اپنے دل کی حسرت پوری کروں گا۔

جب کچھ دن کے بعد جنگ اُحد کا واقعہ پیش آیا تو انس بن النضر رضی اللہ عنہ شریک ہوئے، مسلمان جب منتشر ہو گئے تھے اور کفار قریش کا سیلاب امنڈ رہا تھا تو یہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے، اتفاقاً حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، سعد رضی اللہ عنہ بھی منتشر ہونے والوں میں جا رہے تھے، پکار کر کہا: ''سعد! کہاں چلے جا رہے ہو؟ میں تو احد کے اس دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں''۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور شدید قتال کے بعد اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ (ابن کثیر)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان منتشر ہو گئے تو اس وقت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ حضرات رہ گئے تھے جن میں حضرت طلحہ بھی تھے، کفار قریش کا سیلاب اڈر رہا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، کون ان کی خبر لے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے، ''میں یا رسول اللہ ﷺ''

ایک دوسرے انصاری صحابی نے کہا: ''میں حاضر ہوں'' انصاری کو آپ نے جانے کا حکم دیا، وہ قتال کے بعد شہید ہو گئے، پھر ایک ریلہ آیا، آپ نے پھر وہی سوال کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا، اور بے تاب ہو رہے تھے کہ حضور ﷺ حکم دیں تو میں آگے بڑھوں، حضور ﷺ نے پھر کسی دوسرے انصاری صحابی کو بھیج دیا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تمنا پوری نہیں ہوئی، اسی طرح سات بار حضور نے کہا اور ہر مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اجازت نہیں دی گئی اور دوسرے صحابہ کو اجازت دی جاتی تھی وہ شہید ہو جاتے تھے۔

جنگ بدر میں باوجود قلت تعداد کے مسلمانوں کو فتح ہوئی، غزوہ احد میں بدر کی بہ نسبت کثرت تھی، پھر بھی شکست ہوئی، اس میں بھی مسلمانوں کے لیے عبرت ہے کہ مسلمان کو کبھی کثرت ساز و سامان پر نہیں جانا چاہیے، بلکہ فتح کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھے اور اسی سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے۔

فتح وشکست کا مدار قلت و کثرت اور جنگی ساز و سامان پر نہیں

جنگ یرموک کے موقع پر جب محاذ جنگ سے حضرت عمرؓ کو مزید فوجی کمک بھیجنے کے لیے لکھا گیا اور قلت تعداد کی شکایت کی گئی تو تحریر فرمایا :

قدجاء نی کتابکم تستمدونني واني ادلکم علی من هو اعز نصرا و احصن جندا الله عزوجل فاستنصروه فان محمدا صلی الله علیه وسلم قد نصر في یوم بدر في اقل من عدتکم فاذا جاکم کتابي هذا فقاتلوهم ولا تراجعوني. (بحواله مسند احمدؒ) ابن کثیر

”میرے پاس تمہارا خط آیا جس میں تم نے زیادہ فوجی مدد طلب کی ہے لیکن میں تم کو ایک ایسی ذات کا پتہ دیتا ہوں جو نصرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ غالب اور فوج کے لحاظ سے زیادہ محفوظ ہے وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے۔ لہٰذا تم اسی سے مدد طلب کرو محمد ﷺ کو بدر میں باوجود قلت عدد کے مدد دی گئی، جب میرا یہ خط تم کو پہنچے تو ان پر ٹوٹ پڑو اور مجھ سے اس سلسلہ میں کوئی مراجعت نہ کرو“۔

اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لے

کر کفار کے لشکر کثیر پر یکبارگی حملہ کیا جس میں ان کو شکست فاش ہوئی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کی فتح وشکست، قلت وکثرت پر دائر نہیں ہوتی بلکہ اللہ پر توکل اور اس کی مدد پر موقوف ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے غزوہ حنین کے بارے میں اس حقیقت کو وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ارشاد ہے۔

ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً.

''یعنی غزوہ حنین کو یاد کرو جب کہ تم کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، تو یہ کثرت تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی''۔

سوتیلی اولاد کی پرورش میں اسوۂ حسنہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچوں کی آپ نے پرورش کی، اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار ومحبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہیے، آپ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں، اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور امت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی، ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک بار آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالے میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا، آپ نے فرمایا:

سم اللہ و کل بیمینک و کل مما یلیک .

''اللہ کا نام لے کر کھا، داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا۔''

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح اور سینکڑوں غلاموں کی آزادی

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آگئیں، اور ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کرلیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دیدوں گی مجھے آزاد کردو، یہ معاملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور مالی امداد چاہی، آپ نے فرمایا اس سے بہتر بات نہ بتادوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں، انہوں نے بخوشی منظور کرلیا، تب آپؐ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرمالیا، ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آچکے تھے، کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے، جب صحابہ کو پتہ چلا کہ جویریہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آگئی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کردیئے، سبحان اللہ، حضرات صحابہ کرام کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبے کے پیشِ نظر کہ یہ لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم والے ہوگئے، ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کردیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں۔

فلقد اعتق بتزوجہ ایاھا مائة اھل بیت من بنی المصطلق فما اعلم امرأة اعظم برکة علیٰ قومھا منھا .

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح

کر لینے سے بنو المصطلق کے سوگھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی
عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم
کے لیے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو"۔

حضور ﷺ کا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداء اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلہ کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے تھے، وہاں ان کا شوہر نصرانی ہوگیا اور چند دن کے بعد مر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جسے انہوں نے قبول کرلیا اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اور حضرت ابو سفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا، اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جب ان کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے :

هو الفحل لا يجدع انفه .

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوانمرد ہیں، ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی"۔

مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر

تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

مکڑی کے ذریعے ایک حسین لڑکی کی موت

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد گرامی ہے:

این ماتکونوا یدرککم الموت . الخ

''تم کہیں بھی ہوگے موت تمہیں آ کر دبوچ لے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ جہاد سے رکنے والوں کے اس شبہ کا ازالہ کر دیا کہ شاید جہاد سے جان بچا کر موت سے بھی بچ سکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ موت ایک دن آ کر رہے گی، خواہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہیں موت آئے گی، جب یہ بات ہے تو تمہارا جہاد سے منہ پھیرنا بیکار ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے ذیل میں ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، کہ پہلی امتوں میں ایک عورت تھی، اس کو جب وضع حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لیے بھیجا، وہ دروازہ سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور اس نے پوچھا کہ اس عورت نے کیا جنا ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ ایک لڑکی ہے، تو اس آدمی نے کہا کہ آپ یاد رکھیئے! یہ لڑکی سو مردوں سے زنا کرے گی، اور آخر ایک مکڑی سے مرے گی، ملازم یہ سن کر واپس ہوا اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا اور سوچا کہ اب یہ مرگئی ہے تو بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر اس کا پیٹ جوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ

لڑکی جوان ہوگئی، اور خوب صورت اتنی تھی کہ اس شہر میں وہ بے مثال تھی، اور اس ملازم نے بھاگ کر سمندر کی راہ لی، اور کافی عرصہ تک مال و دولت کماتا رہا، اور پھر شادی کرنے کے لیے واپس شہر آیا، اور یہاں اس کو ایک بڑھیا ملی، تو اس سے ذکر کیا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوب صورت اس شہر میں کوئی اور نہ ہو، اس عورت نے کہا کہ فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں ہے، آپ اسی سے شادی کرلیں، آخر کار کوشش کی اور اس سے شادی کرلی، تو اس لڑکی نے مرد سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا میں پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا، پھر اس نے پورا واقعہ سنایا، یہ سن کر وہ بولی کہ وہ لڑکی میں ہی ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا، جس پر نشان موجود تھا، یہ دیکھ کر اس مرد نے کہا کہ اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق دو باتیں بتلاتا ہوں، ایک یہ کہ تو سو مردوں سے زنا کرے گی، اس پر عورت نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے ایسا ہوا ہے، لیکن تعداد یاد نہیں، مرد نے کہا تعداد سو ہے، دوسری بات یہ کہ تو مکڑی سے مرے گی۔

مرد نے اس کے لیے ایک عالی شان محل تیار کرایا، جس میں مکڑی کے جالے کا نام تک نہ تھا، ایک دن اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی، عورت بولی کیا مکڑی یہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟ مرد نے کہا ہاں! اس پر وہ فوراً اٹھی اور کہا کہ اس کو تو میں فوراً ماردوں گی، یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل کر ہلاک کردیا۔ مکڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کے زہر کی چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑگئیں، جو اس کی موت کا پیغام بن گئیں۔

چالیس برس وادیٔ تیہ میں

وہ یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کا لشکر غرق دریا ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات پا کر حکومت مصر کے مالک بن گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا مزید انعام اور ان کے آبائی وطن ملک شام کو بھی ان کے قبضہ میں واپس دلانے کے لیے بذریعہ موسیٰ علیہ السلام ان کو یہ حکم دیا کہ وہ جہاد کی نیت سے ارضِ مقدسہ یعنی ملک شام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ان کو یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ اس جہاد میں فتح ان کی ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس زمین کو ان کے حصہ میں لکھ دیا ہے۔ وہ ضرور ان کو مل کر رہے گی۔ مگر بنی اسرائیل اپنی طبعی خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے انعامات، غرقِ فرعون اور فتح مصر وغیرہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے باوجود یہاں بھی عہد و میثاق پر پورے نہ اُترے اور جہادِ شام کے اس حکم الٰہی کے خلاف ضد کر کے بیٹھ گئے، جس کی سزا ان کو قدرت کی طرف سے اس طرح ملی کہ چالیس سال تک ایک محدود علاقہ میں محصور و مقید ہو کر رہ گئے کہ بظاہر نہ ان کے گرد کوئی حصار تھا، نہ ان کے ہاتھ پاؤں کسی قید میں جکڑے ہوئے تھے۔ بلکہ کھلے میدان میں تھے اور اپنے وطن مصر کی طرف واپس چلے جانے کے لیے ہر روز صبح سے شام تک سفر کرتے تھے۔ مگر شام کو پھر وہیں نظر آتے تھے جہاں سے صبح چلے تھے۔ اسی دوران حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات ہو گئی اور یہ لوگ اسی طرح وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ ان کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے پیغمبران کی ہدایت کے لیے بھیجے۔

چالیس برس اس طرح پورے ہونے کے بعد پھر ان کی باقی ماندہ نسل نے اس وقت کے پیغمبر کی قیادت میں جہاد شام و بیت المقدس کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ یہ ارض مقدس تمہارے حصہ میں لکھ دی گئی ہے۔

زمین پر سب سے پہلا قتل

اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہے اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف و خلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے یہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام دنیا میں آئے اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توام (جڑواں) پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تو اللہ جل شانہٗ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعتِ آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرمادیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لیے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی، بلکہ ان کے درمیان رشتۂ ازدواج و مناکحت جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین و جمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی یہ بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی،

اس پر قابیل ناراض ہوکر ہابیل کا دشمن ہوگیا، اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جولڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے، حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل وقابیل کے درمیان رفع اختلاف کے لیے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لیے پیش کرو جس کی قربانی قبول ہوجائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے، یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی، اور جس قربانی کو آگ نہ کھائے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں، اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشتکار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم وغیرہ قربانی کے لیے پیش کیا اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی، اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا، اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا: لاقتلنک یعنی میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔

ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، جس میں اس کی ہمدردی وخیر خواہی بھی تھی کہ:

انما یتقبل اللہ من المتقین .

یعنی ''اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیز گار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں''۔

اگر تم تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے، بالآخر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

فتنہ ارتداد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عزم و استقلال

واقعات یہ تھے کہ سب سے پہلے تو مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ نبوت ہونے کا دعویٰ کیا، اور یہاں تک جرات کی کہ آپ کے قاصدوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اگر بمصلحتِ تبلیغ و اصلاح یہ دستور عام نہ ہوتا کہ قاصدوں اور سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا، مسیلمہ اپنے دعوے میں کذاب تھا، پھر آپ ﷺ کو اس کے خلاف جہاد کا موقع نہیں ملا، یہاں تک کہ وفات ہو گئی۔

اسی طرح یمن میں قبیلہ مذحج کے سردار اسود عنسی نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم یمن کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا، مگر جس رات میں اس کو قتل کیا گیا اس کے اگلے دن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی، اسی طرح کا واقعہ قبیلہ بنو اسد میں پیش آیا، کہ ان کا سردار طلیحہ بن خویلد خود اپنی نبوت کا مدعی بن گیا۔

یہ تین قبیلوں کی جماعتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات ہی میں مرتد ہو چکی تھیں، آپ ﷺ کی وفات کی خبر نے اس فتنہ ارتداد کو ایک طوفانی شکل میں

منتقل کردیا، عرب کے سات قبیلے مختلف مقامات پر اسلام اور اس کی حکومت سے منحرف ہوگئے، اور خلیفہ وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔

وفات سرور کائنات کے بعد ملک وملت کی ذمہ داری خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر عائد ہوئی، ایک طرف ان حضرات پر اس حادثۂ عظیم کا صدمہ جانگداز اور دوسری طرف یہ فتنوں اور بغاوتوں کے سیلاب، صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو صدمہ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پڑا اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر پڑجاتا تو ریزہ ریزہ ہوجاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر واستقامت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا کہ تمام آفات ومصائب کا پورے عزم وہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔

بغاوتوں کا مقابلہ ظاہر ہے کہ طاقت استعمال کر کے ہی کیا جاسکتا ہے، مگر حالات کی نزاکت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو کسی کی رائے نہ ہوئی کہ اس وقت بغاوتوں کے مقابلہ میں کوئی سخت قدم اٹھایا جائے، خطرہ یہ تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اگر اندرونی جنگ میں مشغول ہوجائیں تو بیرونی طاقتیں اس جدید اسلامی ملک پر دوڑ پڑیں گی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے صدیق کے قلب کو اس جہاد کے لیے مضبوط فرمادیا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا بلیغ خطبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دیا کہ اس جہاد کے لیے ان کا بھی شرح صدر ہوگیا، اس خطبہ میں اپنے پورے عزم واستقلال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

''جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

دیئے ہوئے احکام اور قانونِ اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ
میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرے مقابلہ پر تمام جن وانس
اور دنیا کے شجر وحجر سب کو جمع کرلائیں، اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو، تب
بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا''۔

اور یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چلنے لگے، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے آئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بٹھلا کر مختلف محاذوں پر مختلف حضرات کی روانگی کا نقشہ بن گیا، اسی لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ، قتادہ وغیرہ جمہور ائمہ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آئی ہے وہی سب سے پہلے اس قوم کا مصداق ثابت ہوئے جن کے من جانب اللہ میدان عمل میں لائے جانے کا آیت مذکورہ میں ارشاد ہے۔

مگر یہ اس کے منافی نہیں کہ کوئی دوسری جماعت بھی اس آیت کی مصداق ہو، اس لیے جن حضرات نے اس آیت کا مصداق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرار دیا وہ بھی اس کا مخالف نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ سب حضرات بلکہ قیامت تک آنے والا وہ مسلمان جو قرآنی ہدایت کے مطابق کفر وارتداد کا مقابلہ کریں گے، اسی آیت کے مصداق میں داخل ہوں گے، بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زیرِ ہدایت اس فتنہ ارتداد کے مقابلہ کے لیے کھڑی ہوگئی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک بڑا لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر یمامہ کی طرف روانہ کیا، وہاں مسیلمہ کذاب کی جماعت نے اچھی خاصی طاقت پکڑ لی تھی، سخت معرکے ہوئے، بالآخر مسیلمہ کذاب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ

سے مارا گیا، اوراس کی جماعت تائب ہوکر پھر مسلمانوں میں مل گئی، اسی طرح طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ پر بھی حضرت خالدؓ ہی تشریف لے گئے، وہ فرار ہوکر کہیں باہر چلا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خود ہی اسلام کی دوبارہ توفیق بخشی، اور مسلمان ہوکر لوٹ آئے۔

خلافتِ صدیقی کے پہلے مہینہ ربیع الاول کے آخر میں اسود عنسی کے قتل اور اس کی قوم کے مطیع وفرمانبردار ہوجانے کی خبر پہنچ گئی اور یہی خبر سب سے پہلی فرح کی خبر تھی، جو حضرت صدیق اکبر ﷺ کو ان حالات میں پہنچی تھی، اسی طرح دوسرے قبائل مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ میں بھی ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فتح مبین نصیب فرمائی۔

قومِ عاد کا واقعہ ابتداء سے انتہاء تک

عاد اصل میں ایک شخص کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور ان کے بیٹے سام کی اولاد میں ہے۔ پھر اس شخص کی اولاد اور پوری قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قرآن کریم میں عاد کے ساتھ کہیں لفظ عاد اولیٰ اور کہیں ارم ذات العماد بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو ارم بھی کہا جاتا ہے اور عاد اولیٰ کے مقابلہ میں کوئی عاد ثانیہ بھی ہے، اس کی تحقیق میں مفسرین اور مؤرخین کے اقوال مختلف ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ عاد کے دادا کا نام ارم ہے اس کے ایک بیٹے یعنی عوص کی اولاد میں عاد ہے یہ عاد اولیٰ کہلاتا ہے اور دوسرے بیٹے حبشو کا بیٹا ثمود ہے یہ عاد ثانی کہلاتا ہے اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ عاد اور ثمود دونوں ارم کی دو شاخیں ہیں۔ ایک شاخ کو عاد اولیٰ اور دوسری کو ثمود یا عاد ثانیہ

بھی کہا جاتا ہے اور لفظ ارم عاد وثمود دونوں کے لیے مشترک ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قوم عاد پر جس وقت عذاب آیا تو ان کا ایک وفد مکہ معظّمہ گیا ہوا تھا وہ عذاب سے محفوظ رہا اس کو عاد اخریٰ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

اور ھود علیہ السلام ایک نبی کا نام ہے یہ بھی نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور سام کی اولاد میں ہیں قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ چوتھی پشت میں سام پر جمع ہو جاتا ہے اس لیے ہود علیہ السلام عاد کے نسبی بھائی ہیں اسی لیے **اخاهم هودا** فرمایا گیا۔

قوم عاد کے تیرہ خاندان تھے۔عمان سے لے کر حضرت موت اور یمن تک ان کی بستیاں تھیں ان کی زمینیں بڑی سرسبز وشادات تھیں ہر قسم کے باغات تھے۔رہنے کے لیے بڑے بڑے شاندار محلات بناتے تھے۔ بڑے قد آور قوی الجثۃ آدمی تھے آیات مذکورہ میں **زادکم فی الخلق بصطة** کا یہی مطلب ہے۔اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے تھے۔مگر ان کی کج فہمی نے انہیں نعمتوں کو ان کے لیے وبال جان بنا دیا۔اپنی قوت وشوکت کے نشہ میں بدمست ہو کر **من اشد منا قوة** کی ڈینگیں مارنے لگے۔

اور رب العالمین جس کی نعمتوں کی بارش ان پر ہو رہی تھی اس کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جو خود انہیں کے خاندان سے تھے اور ابوالبرکات جونی جو انساب عرب کے بڑے ماہر مشہور ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کے بیٹے یعرب بن قحطان ہیں جو یمن میں جا کر آباد ہوئے اور یمنی اقوام انہیں کی نسل ہیں۔اور عربی زبان کی ابتداء انہیں سے ہوئی اور

یعرب کی مناسبت سے ہی زبان کا نام عربی اور اس کے بولنے والوں کو عرب کہا گیا۔
مگر صحیح یہ ہے کہ عربی زبان تو عہد نوح علیہ السلام سے جاری تھی کشتی نوح علیہ السلام کے ایک رفیق جرہم تھے جو عربی زبان بولتے تھے۔ (بحرمحیط)

اور یہی جرہم ہیں جن سے مکہ معظمہ کی آبادی شروع ہوئی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یمن میں عربی زبان کی ابتدا یعرب بن قحطان سے ہوئی اور ابوالبرکات کی تحقیق کا یہی مطلب ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے اور ظلم وجور چھوڑ کر عدل وانصاف اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ مگر یہ لوگ اپنی دولت و قوت کے نشہ میں سرشار تھے۔ بات نہ مانی جس کے نتیجہ میں ان پر پہلا عذاب تو یہ آیا کہ تین سال تک مسلسل بارش بند ہوگئی۔ ان کی زمینیں خشک اور ریگستانی صحرا بن گئیں، باغات جل گئے۔ مگر اس پر بھی یہ لوگ شرک و بت پرستی سے باز نہ آئے تو آٹھ دن اور سات راتوں تک ان پر شدید قسم کی آندھی کا عذاب مسلط ہوا جس نے ان کے رہے سہے باغات اور محلات کو زمین پر بچھا دیا ان کے آدمی اور جانور ہوا میں اڑتے اور پھر سر کے بل آکر گرتے تھے۔ اس طرح یہ قوم عاد پوری ہلاک کردی گئی۔ قرآن کریم میں جو ارشاد ہے

وقطعنا دابر الذين كذبوا.

یعنی ہم نے جھٹلانے والوں کی نسل قطع کردی اس کا مطلب بعض حضرات نے یہی قرار دیا ہے کہ اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ سب فنا کردیئے گئے۔ اور بعض حضرات نے اس لفظ کے معنی قرار دیئے ہیں کہ آئندہ کے لیے بھی قوم عاد کی نسل اللہ تعالیٰ نے منقطع کردی۔

حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ ماننے اور کفر وشرک میں مبتلا رہنے پر جب ان کی قوم پر عذاب آیا تو ہود علیہ السلام اوران کے رفقاء نے ایک حظیرہ (گھیر) میں پناہ لی۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس طوفانی ہوا سے بڑے بڑے محلات تو منہدم ہورہے تھے مگر اس گھیر میں ہوا نہایت معتدل ہوکر داخل ہوتی تھی۔ ہود علیہ السلام کے سب رفقاء عین نزول عذاب کے وقت بھی اسی جگہ مطمئن بیٹھے رہے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد مکہ معظمہ میں منتقل ہوگئے اور پھر یہیں وفات پائی۔

قوم عاد کا عذاب ہوا کے طوفان کی صورت میں آنا قرآن مجید میں صراحۃً مذکور اور منصوص ہے اور سورہ مومنون میں قصہ نوح علیہ السلام ذکر کرنے کے بعد جو ارشاد ہوا ہے:

ثم انشأنا من بعدهم قرنا آخرين .

یعنی پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور جماعت پیدا کی ظاہر یہ ہے کہ اس جماعت سے مراد قوم عاد ہے پھر اس جماعت کے اعمال واقوال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا :

فاخذتهم الصيحة بالحق .

یعنی پکڑ لیا ان کو ایک سخت آواز نے۔

اس ارشاد قرآنی کی بنا پر بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قوم عاد پر سخت قسم کی ہیبت ناک آواز کا عذاب مسلط ہوا تھا مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہوسکتا ہے کہ سخت آواز بھی ہوئی ہو اور ہوا کا طوفان بھی۔

قومِ ثمود کا واقعہ ابتداء سے انتہاء تک

اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ صالح علیہ السلام نسب ووطن کے اعتبار سے قوم ثمود ہی کے ایک

فرد تھے۔ کیونکہ یہ بھی سام ہی کی اولاد میں سے تھے اسی لیے قرآن کریم میں ان کو قوم ثمود کا بھائی فرمایا ہے۔ **اخاھم صٰلحاً** .صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ وہی دعوت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک سب انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت .

یعنی ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ وہ لوگوں کو یہ ہدایت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بت پرستی سے بچو۔ عام انبیاء سابقین کی طرح صالح علیہ السلام نے بھی قوم سے یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور خالق و مالک سمجھو اس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں۔ فرمایا: **یقوم اعبدوالله مالکم من اله غیره .**

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

قدجآء تکم بینة من ربکم .

یعنی اب تو ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آ پہنچا ہے۔ اس نشان سے مراد ایک عجیب و غریب ناقہ ہے۔

جس کا اجمالی ذکر اس آیت میں بھی ہے اور قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں اُس کی مزید تفصیلات مذکور ہیں، واقعہ اس ناقہ کا یہ تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی جوانی کے زمانہ سے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دینا شروع کی اور برابر اس میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپہ کے آثار شروع ہو گئے۔ صالح علیہ السلام کے بار بار اصرار سے تنگ ہو کر ان کی قوم نے یہ قرار دیا کہ ان سے کوئی ایسا مطالبہ کرو جس کو یہ پورا نہ کرسکیں اور

ہم ان کی مخالفت میں سرخرو ہو جائیں۔ مطالبہ یہ کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہماری فلاں پہاڑی جس کا نام تبہ تھا اس کے اندر سے ایک ایسی اونٹنی نکال دیجئے جو دس مہینہ کی گابھن ہو اور قوی و تندرست ہو۔

صالح علیہ السلام نے اول ان سے عہد لیا کہ اگر میں تمہارا یہ مطالبہ پورا کرادوں تو تم سب مجھ پر اور میری دعوت پر ایمان لے آؤ گے۔ جب سب نے معاہدہ کرلیا۔ تو صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپ کے لیے تو کوئی کام دشوار نہیں ان کا مطالبہ پورا فرمادیں۔ دُعا کرتے ہی پہاڑی کے اندر جنبش پیدا ہوئی اور اس کی ایک بڑی چٹان پھٹ کر اس میں سے ایک اونٹنی اُسی طرح کی نکل آئی جیسا مطالبہ کیا تھا۔

صالح علیہ السلام کا یہ کھلا ہوا حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر اُن میں سے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے اور باقی قوم نے بھی ارادہ کرلیا کہ ایمان لے آئیں۔ مگر قوم کے چند سردار جو بتوں کے خاص پجاری اور بت پرستی کے امام تھے اُنہوں نے ان کو بہکا کر اسلام قبول کرنے سے روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ قوم نے عہد شکنی کی اور خطرہ ہوا کہ ان پر کوئی عذاب آجائے تو پیغمبرانہ شفقت کی بناء پر ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ اس اونٹنی کی حفاظت کرو، اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ تو شاید تم عذاب سے محفوظ رہو ورنہ فوراً تم پر عذاب آجائے گا یہی مضمون قرآن کریم کے ان جملوں میں ارشاد ہوا ہے۔

هذه ناقة الله لكم اية فذروها تاكل فى ارض الله ولا تمسوها بسوء فيأخذكم عذاب اليم .

یعنی یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو عذاب الیم آ پکڑے گا اس ناقہ کو ناقۃ اللہ اس لیے کہا گیا کہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل اور صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر حیرت انگیز طریق سے پیدا ہوئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ فرمایا گیا کہ ان کی پیدائش بھی معجزانہ انداز سے ہوئی تھی۔ تاکل فی ارض اللہ میں اس کی طرف کچھ اشارہ ہے کہ اس ناقہ کے کھانے پینے میں تمہاری ملک اور تمہارے گھر سے کچھ نہیں جاتا۔ زمین اللہ کی ہے اس کی پیداوار کا پیدا کرنے والا وہی ہے اُس اونٹنی کو اُس کی زمین میں آزاد چھوڑ دو کہ عام چراگاہوں میں کھاتی رہے۔

قوم ثمود جس کنوئیں سے پانی پیتے پلاتے تھے اسی سے یہ اونٹنی بھی پانی پیتی تھی مگر یہ عجیب الخلقہ اونٹنی جب پانی پیتی تو پورے کنوئیں کا پانی ختم کر دیتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے باذن ربانی یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پئے گی اور دوسرے دن قوم کے سب لوگ پانی لیں گے اور جس روز یہ اونٹنی پانی پئے گی تو دوسروں کو پانی کی بجائے اونٹنی کا دودھ اس مقدار میں مل جاتا کہ وہ اپنے سارے برتن اس سے بھر لیتے تھے۔ قرآن میں دوسری جگہ اس تقسیم کا ذکر اس طرح آیا ہے :

ونبئهم ان المآء قسمة بينهم كل شربٍ محتضر.

یعنی صالح علیہ السلام آپ اپنی قوم کو بتلا دیں کہ کنوئیں کا پانی ان کے اور ناقۃ اللہ کے درمیان تقسیم ہوگا ایک دن اونٹنی کا اور دوسرے دن پوری قوم کا اور اس تقسیم پر اللہ کی طرف سے فرشتوں کی نگرانی مسلط ہوگی کہ کوئی اس کے خلاف نہ کر سکے اور ایک

دوسری آیت میں ہے:

هذه ناقة لها شرب و لكم شرب يوم معلوم.

یعنی یہ اللہ کی اونٹنی ہے ایک دن پانی کا حق اس کا اور دوسرے دن کا پانی تمہارے لیے معین ومقرر ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دُعا سے پہاڑ کی ایک بڑی چٹان شق ہوکر اس سے ایک عجیب وغریب اونٹنی پیدا ہوگئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کو بھی اس قوم کے لیے آخری امتحان اس طرح بنادیا تھا کہ جس کنویں سے ساری بستی کے لوگ اوران کے مویشی پانی حاصل کرتے تھے یہ اس کا سارا پانی پی جاتی تھی اس لیے صالح علیہ السلام نے ان کے لیے باری مقرر کردی تھی کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے دوسرے دن بستی والے۔

قوم ثمود اس اونٹنی کی وجہ سے ایک تکلیف میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ ہلاک ہوجائے ایسی حرکت کرنے سے ڈرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب آجائے گا۔

شیطان کا سب سے بڑا وہ فریب جس میں مبتلا ہوکر انسان اپنی ہوش وعقل کھوبیٹھتا ہے وہ عورت کا فتنہ ہے۔قوم کی دو حسین وجمیل عورتوں نے یہ بازی لگادی کہ جو شخص اس ناقہ کو قتل کردے گا ہم اور ہماری لڑکیوں میں سے جس کو چاہے وہ اس کی ہے۔

قوم کے دونو جوان ، مصدع اور قذار اس نشہ میں مدہوش ہوکر اس ناقہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے اور ناقہ کے راستہ میں ایک پتھر کی چٹان کے نیچے چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب ناقہ سامنے آئی تو مصدع نے تیر کا وار کیا اور قذار نے تلوار سے اس کی

ٹانگیں کاٹ کر قتل کر دیا۔

قرآن کریم نے اسی کو قوم ثمود کا سب سے بڑا شقی اور بد بخت قرار دیا ہے۔

اذا انبعث اشقها.

کیونکہ اس کے سبب پوری قوم عذاب میں گرفتار ہوگئی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ناقہ کے قتل کا واقعہ معلوم ہونے کے بعد قوم کو بحکم خدا وندی بتلا دیا کہ اب تمہاری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں:

تمتعوا في داركم ثلثة ايام ذلك وعد غير مكذوب.

یعنی تین دن اور اپنے گھروں میں آرام کرلو (اس کے بعد عذاب آنے والا ہے) اور یہ وعدہ سچا ہے اس میں خلاف کا امکان نہیں مگر جس قوم کا وقت خراب آجاتا ہے اس کے لیے کوئی نصیحت و تنبیہ کارگر نہیں ہوتی۔ حضرت صالح علیہ السلام کے اس ارشاد پر بھی ان بد بخت لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ یہ عذاب کیسے اور کہاں سے آئے گا اور اس کی علامت کیا ہوگی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ لو عذاب کی علامات بھی سن لو، کل جمعرات کے روز تم سب کے چہرے سخت زرد ہو جائیں گے مرد و عورت، بچہ بوڑھا کوئی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا، پھر پرسوں جمعہ کے روز سب کے چہرے سخت سرخ ہو جائیں گے اور ترسوں ہفتہ کو سب کے چہرے شدید سیاہ ہو جائیں گے، اور یہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ بدنصیب قوم نے یہ سن کر بھی بجائے اس کے کہ توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتے یہ فیصلہ کیا کہ صالح علیہ السلام ہی کو قتل کر دیا جائے۔

کیونکہ اگر یہ سچے ہیں اور ہم پر عذاب آنا ہی ہے تو ہم اپنے سے پہلے ان کا کام

تمام کیوں نہ کردیں اور اگر جھوٹے ہیں تو اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگتیں۔قوم کے اس ارادہ کا تذکرہ قرآن میں دوسری جگہ تفصیل سے موجود ہے۔قوم کے اس متفقہ فیصلہ کے ماتحت کچھ لوگ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر قتل کے ارادہ سے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی میں پتھر برسا کر ہلاک کردیا۔

ومکروا مکرا و مکرنا مکرا وھم لایشعرون.

یعنی انہوں نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے بھی ایسی تدبیر کی کہ ان کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

اور جب جمعرات کی صبح ہوئی تو صالح علیہ السلام کے کہنے کے مطابق سب کے چہرے ایسے زرد ہوگئے جیسے گہرا زرد رنگ پھیر دیا گیا ہو۔عذاب کی پہلی علامت کے سچا ہونے کے بعد بھی ظالموں کو اس طرف کوئی توجہ نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اپنی غلط کاریوں سے باز آجاتے۔ بلکہ ان کا غیظ وغضب حضرت صالح علیہ السلام پر اور بڑھ گیا اور پوری قوم ان کے قتل کی فکر میں پھرنے لگی۔اللہ تعالیٰ اپنے قہر سے بچائے اس کی بھی علامات ہوتی ہیں کہ قلوب و دماغ اندھے ہوجاتے ہیں نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع۔اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔

بالآخر دوسرا دن آیا تو پیش گوئی کے مطابق سب کے چہرے سرخ ہوگئے اور تیسرے دن سخت سیاہ ہوگئے۔اب تو یہ سب کے سب اپنی زندگی سے ماوس ہوکر انتظار کرنے لگے کہ عذاب کس طرف سے کس طرح آتا ہے۔

اسی حال میں زمین سے ایک شدید زلزلہ آیا اور اوپر سے سخت ہیبت ناک چیخ اور شدید آواز (سخت سیاہ بادلوں کی کڑک سے بھی زیادہ زوردار) پیدا ہوئی۔جس سے سب کے سب بیک وقت بیٹھے بیٹھے اوندھے گر کر مر گئے۔

ستر بنی اسرائیل کی ہلاکت اور نئی زندگی کا واقعہ

موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات لا کر بنی اسرائیل کو دی تو وہ اپنی کجروی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، ممکن ہے آپ اپنی طرف سے یہ لکھ لائے ہوں ان کو اطمینان دلانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہِ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی خود اپنا کلام سنا دیں گے جس سے ان کو یقین آ جائے گا، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور کوہِ طور پر لے گئے، حسب وعدہ انہوں نے اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا، مگر جب یہ حجت بھی پوری ہوگئی تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم یہ آواز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا کسی اور کی، ہم تو جب یقین کریں جب کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں، ان کا یہ سوال چونکہ ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی تھا، اس پر غضب الٰہی متوجہ ہوا، ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک آئی جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر گئے اور بظاہر مردہ ہوگئے۔ سورہ بقرہ میں اس جگہ صاعقہ کا لفظ آیا ہے اور سورۂ اعراف میں رجفہ کا، صاعقہ کے معنی بجلی کی کڑک اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہوگئی ہوں۔

بہر حال یہ لوگ ایسے ہو کر گر گئے جیسے مردے ہوتے ہیں خواہ حقیقۃً مر ہی گئے ہوں یا ظاہر میں مردہ نظر آتے ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا، ایک تو اس لیے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے، دوسرے اس لیے کہ اب اپنی

قوم میں جا کر کیا جواب دیں گے وہ یہ تہمت لگائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کرادیا ہے اور اس تہمت کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کرڈالیں گے، اس لیے اللہ جل شانہ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں کہ اس واقعہ سے آپ کا مقصود ان کو ہلاک کرنا نہیں کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اب سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کیے جا سکتے تھے، فرعون کے ساتھ غرق کردیئے جاتے یا گوسالہ پرستی کے وقت سب کے سامنے ہلاک کردیئے جاتے اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کردیتے مگر آپ نے یہ نہیں چاہا تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی ان کا ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سزا دینا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بے وقوفوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کردیں۔ اس جگہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس لیے ذکر کیا کہ ان ستر آدمیوں کی اس طرح غائبانہ ہلاکت کا نتیجہ یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں ہلاک کیے جائیں۔

پھر عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محض آپ کا امتحان ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت و ناشکری کرنے لگیں، اور بعض کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ میں بھی آپ کے فضل سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہٰذا اس امتحان میں مطمئن ہوں اور آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں، ہم پر مغفرت اور رحمت فرمایئے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں

اس لیے ان کی اس گستاخی کو بھی معاف کر دیجئے، چنانچہ وہ سب لوگ صحیح سالم اُٹھ کھڑے ہوئے۔

بنی اسرائیل کے مذہبی رہنما بلعم بن عوراء کی گمراہی کا عبرتناک واقعہ

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے یہ واقعہ پڑھ کر سنایئے جس میں بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم وعارف اور مشہور پیشوا کا ایسا ہی حال عروج کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی کا مذکور ہے کہ وسیع علم اور پوری معرفت حاصل ہونے کے باوجود، جب نفسانی اغراض اس پر غالب آئیں تو یہ سب علم ومعرفت اور مقبولیت ختم ہو کر گمراہ اور ذلیل وخوار ہو گیا۔

قرآنِ کریم میں اس شخص کا نام اور کوئی تشخص مذکور نہیں، آئمہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے اس کے بارے مختلف روایتیں مذکور ہیں، جن میں زیادہ مشہور اور جمہور کے نزدیک قابلِ اعتماد روایت وہ ہے جو حضرت ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کی ہے کہ اس شخص کا نام بلعم بن باعوراء ہے یہ ملکِ شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا، اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم اس کو حاصل تھا، قرآنِ کریم میں جو اس کی صفت میں اَلَّذِیٓ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فرمایا ہے، اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

جب غرقِ فرعون اور فتح مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل

کا لشکر لے کر پہنچ گئے اور ان کے مقابل قوم فرعون کا غرق وغارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعورا کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں اور وہ اس لیے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں، آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلہ سے واپس کر دیں، وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعورا کو اسمِ اعظم معلوم تھا وہ اس کے ذریعہ جو دُعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا افسوس ہے تم کیسی بات کہتے ہو، وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں۔ میں ان کے خلاف بددعا کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ ان کا مقام جو اللہ کے نزدیک ہے وہ بھی میں جانتا ہوں اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے اس معاملہ میں معلوم کرلوں کہ ایسی دعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لیے استخارہ یا کوئی عمل کیا، خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کرے، اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بددعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، اس وقت قوم جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی۔ اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر اس قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کر دو اور الحاح واصرار کی حد نہ رہی، بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کر لیں اور ان کا کام کر دیں، اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے

خلاف بددعا کرنا شروع کی۔

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلمات بد دعا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم کے لیے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بددعا خود اپنی قوم جبارین کے لیے نکلے وہ چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لیے بددعا کر رہے ہو، بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

واتل عليهم نبأ الذى آتينه آيتنا فانسلخ......الاية

بہر حال! واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا وآخرت تباہ ہوگئی اب دعا تو میری چلتی نہیں لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر غالب آسکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اوران کو یہ تاکید کردو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں، یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت کے نکلے ہوئے ہیں۔اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر وعذاب نازل ہوتا ہے، وہ فاتح وکامران نہیں ہوسکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی، اس پر عمل کیا گیا، بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا مگر وہ

باز نہ آیا اور شیطانی جال میں مبتلا ہو گیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا جس سے ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مر گئے، یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے منظر عام پر لٹکا دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو، اور لوگ توبہ تائب ہوں، چنانچہ لوگوں نے سچی توبہ کی، اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامان اور کفار کا مسلح لاؤ لشکر

ابن عقبہ و ابن عامر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مالِ تجارت لے کر مکہ معظمہ کی طرف جا رہے ہیں اور اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک ہیں۔ ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سونا بھی تھا تو اُس نے اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ اس قافلہ کے پورے سرمایہ کے متعلق ابن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ وہ پچاس ہزار دینار پر مشتمل تھا۔ دینار سونے کا سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، پچاس ہزار دینار موجودہ دور کے اٹھارہ ہزار، سات سو پچاس تولہ (8.750 تولہ) سونا بنتے ہیں، جس کی مالیت آج کے حساب سے کھربوں روپے بنتے ہیں، اس تجارتی قافلہ کی حفاظت اور کاروبار کے لیے قریش کے ستر جوان اور سردار ساتھ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجارتی قافلہ درحقیقت قریش مکہ کی ایک تجارتی کمپنی تھی۔

بغوی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نقل کیا ہے کہ اس قافلہ میں قریش کے چالیس سوار قریش کے سرداروں میں سے تھے جن میں عمرو بن العاص، مخرمہ بن نوفل خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کی سب سے بڑی طاقت ان کی یہی تجارت اور تجارتی سرمایہ تھا۔ جس کے بل پر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کر کے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر شام سے اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کر کے قریش کی طاقت توڑ دینے کا موقع ہے۔ صحابہ کرام ﷡ سے مشورہ کیا تو زمانہ رمضان کا تھا، پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی۔ بعض حضرات نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا مگر بعض نے کچھ پس وپیش کی۔ آپ نے بھی سب پر اس جہاد کی شرکت کو لازم نہ قرار دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ اس وقت بہت سے آدمی جہاد میں جانے سے رک گئے اور جو لوگ جانا چاہتے تھے اور ان کی سواریاں دیہات میں تھیں انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم اپنی سواریاں لے آئیں تو ساتھ چلیں۔ مگر وقت اتنے انتظار کا نہ تھا۔ اس لیے حکم یہ ہوا کہ جن لوگوں کی سواریاں پاس موجود ہیں اور جہاد میں جانا چاہیں صرف وہی لوگ چلیں۔ باہر سے سواریاں منگانے کا وقت نہیں۔ اس لیے ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے اور جن حضرات نے اس جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا اس کا سبب بھی یہ تھا کہ آپ نے سب کے ذمہ اس جہاد کی شرکت کو واجب نہ قرار دیا تھا اور ان لوگوں کو یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ تجارتی قافلہ ہے کوئی جنگی لشکر نہیں جس کے مقابلہ

میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو زیادہ لشکر اور مجاہدین کی ضرورت پڑے۔ اس لیے صحابہ کرام ؓ کی بہت بڑی تعداد اس جہاد میں شریک نہ ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیر سُقیا پر پہنچ کر قیس بن صعصعہ ؓ کو حکم دیا کہ لشکر کو شمار کریں تو اُنہوں نے شمار کر کے اطلاع دی کہ تین سو تیرہ حضرات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تعداد اصحابِ طالوت کی ہے اس لیے فال نیک، فتح اور کامیابی کی ہے۔ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے۔ ہر تین آدمی کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دو حضرات ایک اونٹ کے شریک تھے، ابو لبابہ ؓ اور حضرت علی ؓ۔ جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ حضرات عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ رحمۃ للعالمین کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تو تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں، اس لیے اپنی باری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

دوسری طرف کسی شخص نے ملک شام کے مشہور مقام عین زرقا پر پہنچ کر رئیسِ قافلہ ابوسفیان کو اس کی خبر پہنچادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کے انتظار میں ہیں ان کا تعاقب کریں گے۔ ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ جب یہ قافلہ حدودِ حجاز میں داخل ہوا تو ایک ہوشیار مستعد آدمی ضمضم بن عمر کو بیس مثقال سونا یعنی 1/2 7 تولہ سونا، آج کل پونے چار لاکھ روپے اُجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر جلد سے جلد مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچادے کہ ان کے قافلہ کو

صحابہ کرام ﷺ سے خطرہ لاحق ہے۔

ضمضم بن عمر نے اُس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لیے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے۔ اور کجاوہ کو اُلٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا۔ یہ علامات اُس زمانہ میں خطرہ کی گھنٹی سمجھی جاتی تھیں۔ جب وہ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا تو پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی اور تمام قریش مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ جو لوگ اس جنگ کے لیے نکل سکتے تھے خود نکلے اور جو کسی وجہ سے معذور تھے انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جنگ کے لیے تیار کیا اور صرف تین روز میں یہ لشکر پورے جنگی ساز وسامان کے ساتھ تیار ہو گیا۔

ان میں جو لوگ اس جنگ میں شرکت سے ہچکچاتے اُس کو یہ لوگ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور مسلمانوں کا ہم خیال سمجھتے اس لیے ایسے لوگوں کو خصوصیت سے جنگ کے واسطے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔

جو لوگ علانیہ طور پر مسلمان تھے اور ابھی تک بوجہ اپنے اعذار کے ہجرت نہیں کر سکتے تھے بلکہ مکہ میں بس رہے تھے اُن کو اور بنو ہاشم کے خاندان میں جس پر بھی یہ گمان تھا کہ یہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے اُن کو بھی اس جنگ کے لیے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہیں مجبور لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور ابو طالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل بھی تھے۔

اس طرح اس لشکر میں ایک ہزار جوان دوسو گھوڑے اور چھ سو زرہیں اور گانا گانے والی لونڈیاں اور اُن کے طبلے وغیرہ لے کر بدر کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہر منزل پر دس اونٹ ان لوگوں کے کھانے کے لیے ذبح ہوتے تھے۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک تجارتی قافلہ کے انداز سے مقابلہ کی تیاری کر کے بارہ رمضان کو شنبہ کے دن مدینہ طیبہ سے نکلے اور کئی منزل طے کرنے کے بعد بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے دو شخصوں کو آگے بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں۔ (مظہری)

مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ ابوسفیان کا قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل دریا کے کنارے کنارے گزر گیا اور اُس کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر جنگ کے لیے آرہا ہے۔ (ابن کثیر)

ظاہر ہے کہ اس خبر نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ فرمایا۔ کہ اس آنے والے لشکر سے جنگ کرنا ہے یا نہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ اور بعض دوسرے حضرات نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور نہ ہم اس قصد سے آئے ہیں۔ اس پر حضرت صدیق اکبر ﷺ کھڑے ہوئے اور تعمیل حکم کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا پھر فاروق اعظم ﷺ کھڑے ہوئے اور اسی طرح تعمیلِ حکم اور جہاد کے لیے تیار ہونے کا اظہار کیا پھر حضرت مقداد ﷺ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ :

یارسول اللہ جو کچھ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ملا ہے آپ اُس کو جاری کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔

فَاذْهَب اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۔

یعنی جایئے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس

ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ملک حبشہ کے مقام برک الغماد تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جنگ کے لیے چلیں گے۔

آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور اُن کو دُعائیں دیں۔ مگر ابھی تک حضرات انصار رضی اللہ عنہم کی طرف سے موافقت میں کوئی آواز نہ اُٹھی تھی اور یہ احتمال تھا کہ حضرات انصار نے جو معاہدہ نصرت و امداد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا وہ اندرونِ مدینہ کا تھا۔ مدینہ سے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہیں تھے، اس لیے آپ ﷺ نے پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہیں۔ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور اس کی شہادت دی کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں سب حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیے ہیں کہ ہر حال میں آپ کی اطاعت کریں گے۔ اس لیے آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حکم ملا ہو اُس کو جاری فرمایئے۔

قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ دریا میں گھس جائیں گے ہم میں سے ایک آدمی بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اس میں کوئی گرانی نہیں کہ آپ کل ہی ہمیں دشمن سے بھڑا دیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے کام سے ایسے حالات کا مشاہدہ کرائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ ہمیں اللہ کے نام پر جہاں چاہیں لے چلیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور قافلہ کو حکم دے دیا کہ اللہ کے نام پر چلو اور یہ خوش خبری سنائی کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر ہمارا غلبہ ہوگا۔ دونوں جماعتوں سے مراد۔ ایک ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور دوسرا یہ مکہ سے آنے والا لشکر ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم میں گویا اپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ پورا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری سے لیا گیا ہے۔

غزوۂ بدر اللہ تعالیٰ کی کھلی مدد و نصرت

جس وقت کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ ٹھن گیا تو کفارِ مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو اونچائی پر تھا۔ پانی اُس کے قریب تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی۔ قرآنِ کریم نے اس میدانِ جنگ کا نقشہ اسی سورت کی بیالیسویں آیت میں اس طرح کھینچا ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوىٰ والركب أسفل منكم. (الانفال)

جس جگہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے قیام فرمایا۔ اُس مقام کے واقف کار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیشِ نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، اس میں تغیر

بدل کیا جاسکتا ہے۔تب حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اُس پر قبضہ کیا جائے وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لیے بنا کر اُس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔

اس سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لیے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ میں بنادیں جہاں آپ مقیم رہیں اور آپ کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔

منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر اُن صحابہ کرام کے ساتھ جاملیں۔ جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے ہیں کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر اُن کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو اُن میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا، آپ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ کے رفیق کار رہیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اس جانبازانہ پیش کش پر دُعائیں دیں اور ایک مختصر سا سایہ بان آپ کے لیے بنادیا گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دروازہ پر حفاظت کے لیے تلوار لیے کھڑے تھے۔

معرکہ کی شب کا کچھ حال

معرکہ کی پہلی رات تھی، تین سو تیرہ بے سامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنی تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا۔ میدانِ جنگ کا بھی اچھا مقام اُن کے قبضہ میں آچکا تھا۔ نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتلا جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کیے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے آرام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرمادی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اُس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں جبراً سلا دیا۔

حافظ حدیث ابویعلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیرؒ نے بحوالہ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اُونگھ آگئی مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا۔ اے ابوبکر! خوشخبری سنو یہ جبرائیل علیہ السلام ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر آپ سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ.

یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی، یہ فلاں کی اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔ (تفسیر مظہری)

اور جیسا غزوۂ بدر میں تکان اور پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اسی طرح غزوۂ اُحد میں بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن واطمینان کی نشانی ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

دوسری نعمت مسلمانوں کو اس رات میں یہ ملی کہ بارش ہوگئی جس نے میدانِ جنگ کا نقشہ بالکل پلٹ دیا، قریش لشکر نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہاں تو بارش بہت تیز آئی اور میدان میں دلدل ہو کر چلنا مشکل ہو گیا اور جس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقیم تھے یہاں ریت کی وجہ سے چلنا مشکل تھا یہاں بارش ہلکی ہوئی جس نے تمام ریتے کو جما کر میدان کو نہایت ہموار خوشگوار بنا دیا۔

دارالندوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی حتمی سازش

تفسیر ابن کثیر اور مظہری میں بروایت محمد بن اسحاق وامام احمد وابن جریرؒ وغیرہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہو جانا مکہ میں مشہور ہوا تو قریش مکہ کو یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر

تھا جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے اور اب جب کہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ﷡ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہوگیا ہے، جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اور ان کو یہ بھی احساس ہوگیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ﷡ ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وہاں چلے جائیں اس لیے رؤساء مکہ نے مشورہ کے لیے دار الندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی۔ دار الندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور زمانہ اسلام میں اُس کو مسجد حرام میں داخل کر لیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ باب الزیادات ہی وہ جگہ ہے جس کو دار الندوہ کہا جاتا تھا۔

حسب عادت اس مہم مشورہ کے لیے قریشی سرداروں کا اجتماع دار الندوہ میں ہوا جس میں ابو جہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف۔ ابو سفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی تدبیریں زیرِ غور آئیں۔

ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کی صورت میں دار الندوہ کے دروازہ پر آ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو کیوں آئے ہو۔ بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہوگیا کہ ممکن ہے میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔

یہ سن کر اس کو اندر بلا لیا گیا اور مشورہ شروع ہوا تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالبختری ابن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ معاذ اللہ وہ آپ اپنی موت مر جائیں۔ یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملہ چھپے گا نہیں بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائے گی اور ان کے صحابہ اور رفقاء کے فدائیانہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور اپنے قیدی کو تم سے چھڑا لیں۔ سب طرف سے آوازیں اُٹھیں کہ شیخ نجدی کی بات صحیح ہے اس کے بعد ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں۔ ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا اور ہمیں کچھ جنگ و جدال بھی کرنا نہ پڑے گا۔

شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کیسے شیریں کلام آدمی ہیں لوگ اُن کا کلام سن کر مفتون اور مسحور ہو جاتے ہیں۔ اگر اُن کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنالیں گے اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے۔ اب ابوجہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا۔ میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لے لیں اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں۔ یہ سب لوگ یکبارگی اُن پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کر لیں۔ اب رہا اُن کے قبیلہ بنو عبد مناف کا مطالبہ جوان کے قتل کا سبب ہم پر

عائد ہوگا سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا۔ صرف خون بہا یا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے اُن کو دے دیں گے اور بے فکر ہو جائیں گے۔

شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سُن کر کہا کہ بس رائے یہی ہے اور اس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں۔ پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دے دی اور آج ہی رات میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کر لیا گیا۔

مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی طاقت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے۔ دوسری طرف جبرئیل امین نے دارالمشورہ کی ساری کیفیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر کے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات میں آپ اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوانوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آرام کریں اور یہ خوشخبری سنادی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور آپ کے بستر پر لیٹ گئے مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس محاصرہ سے کیسے نکلیں۔ اس مشکل کو اللہ تعالیٰ نے ایک معجزہ کے ذریعہ حل کیا وہ یہ کہ بامرِ الٰہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے جو کچھ آپ کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے اُس کا جواب دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں اور فکروں کو آپ کی طرف سے پھیر دیا کہ کسی نے آپ کو نہ دیکھا حالانکہ آپ ان میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو تو انہوں نے بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتظار میں۔ اس نے کہا کہ تم کس خام خیالی میں ہو، وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ کھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں اس لیے قتل پر اقدام نہیں کیا۔ صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر واپس ہو گئے۔ یہ رات اور اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے خاص فضائل میں سے ہے۔

غزوۂ بدر میں شیطان کی کفارِ مکہ کو مدد کی یقین دہانی، اور عین الوقت پر وعدہ خلافی

امام ابن جریرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے مکہ سے نکلا تو ان کے

دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنوبکر بھی ہمارا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ پر جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پا کر ہمارے گھروں اور عورتوں، بچوں پر چھاپہ مار دے۔ امیر قافلہ ابوسفیان کی گھبرائی ہوئی فریاد پر تیار ہو کر نکل تو کھڑے ہوئے مگر یہ خطرہ ان کے لیے زنجیرِ پا بنا ہوا تھا کہ اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اُس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے۔ سراقہ بن مالک اُس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جن سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح سے فریب میں مبتلا کیا۔

اول یہ کہ :

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ .

یعنی آج تمام لوگوں میں تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے تمہارے مقابل فریق کی قوت کا بھی اندازہ ہے اور تمہاری قوت و کثرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اس لیے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم بے فکر ہو کر آگے بڑھو تمہیں غالب رہو گے کوئی تمہارے مقابلہ پر غالب آنے والا نہیں۔

دوسرے یہ کہ:

اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ .

یعنی تمہیں جو بنی بکر وغیرہ سے خطرہ لگا ہوا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے مکہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کی میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسا نہ ہوگا میں تمہارا حامی ہوں۔ قریش مکہ سراقہ بن مالک اور اُس کی بڑی شخصیت اور اثر و رسوخ سے پہلے سے واقف تھے

اُس کی بات سُن کر ان کے دل جم گئے اور قبیلہ بنی بکر کے خطرہ سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔

اس دوگونہ فریب سے شیطان نے ان لوگوں کو اپنے مقتل کی طرف ہانک دیا :

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ .

جب مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کی دونوں جماعتیں (مقامِ بدر میں) آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔

غزوۂ بدر میں چونکہ مشرکین مکہ کی پیٹھ پر ایک شیطانی لشکر بھی آ گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے مقابلہ میں فرشتوں کا لشکر جبرئیل ومیکائل کی قیادت میں بھیج دیا۔

امام ابن جریر وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ شیطان نے جو اُس وقت بشکل انسانی سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنے شیطانی لشکر کی قیادت کر رہا تھا، جب جبریل امین اور اُن کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اُٹھا اُس وقت اُس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا۔ حارث نے ٹوکا کہ یہ کیا کرتے ہو تو اُس کے سینہ پر مار کر حارث کو گرا دیا اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر بھاگ پڑا۔ حارث نے اُس کو سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار سراقہ تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں اور عین میدانِ جنگ میں یہ حرکت کر رہے ہو، تو شیطان نے بشکل سراقہ جواب دیا۔

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ .

یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں مراد فرشتوں کا لشکر تھا اور یہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس

لیے تمہارا ساتھ چھوڑتا ہوں۔

یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں مراد فرشتوں کا لشکر تھا اور یہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لیے تمہارا ساتھ چھوڑتا ہوں۔

شیطان نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تو اُن کی قوت سے وہ واقف تھا سمجھ گیا کہ اب اپنی خیر نہیں اور یہ جو کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، امام تفسیر قتادہ نے کہا کہ یہ اس نے جھوٹ بولا اگر وہ خدا سے ڈرا کرتا تو نافرمانی کیوں کرتا۔ مگر اکثر حضرات نے فرمایا کہ ڈرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عذاب شدید کو پوری طرح جانتا ہے اس لیے نہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ نرا خوف بغیر ایمان و اطاعت کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

ابوجہل نے جب سراقہ اور اس کے لشکر کی پسپائی سے اپنے لشکر کی ہمت کو ٹوٹتے دیکھا تو بات بنائی اور کہا کہ سراقہ کے بھاگ جانے سے تم متاثر نہ ہو اس نے تو خفیہ طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ساز کر رکھی تھی۔ شیطان کی پسپائی کے بعد ان کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا۔ پھر جب یہ لوگ مکہ واپس آئے اور ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک کے ساتھ ہوئی تو اُس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدانِ جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی۔ اس نے کہا کہ میں نہ تمہارے ساتھ گیا نہ تمہارے کسی کام میں شریک ہوا۔ میں نے تو تمہاری شکست کی خبر بھی تمہارے مکہ پہنچنے کے بعد سنی ہے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ مجسم رحمت ﷺ کا مشفقانہ برتاؤ

غزوۂ بدر میں صورت حال یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بالکل خلافِ قیاس غیر معمولی فتح عطا فرمائی۔ دشمن نے مال بھی چھوڑا جو بطورِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ان کے بڑے بڑے ستر سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لیے۔ مگر ان دونوں چیزوں کے جائز ہونے کی صراحت کسی وحی الٰہی کے ذریعہ ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عاجلانہ اقدام پر عتاب نازل ہوا۔ اُسی عتاب و ناراضی کا اظہار ایک وحی کے ذریعہ کیا گیا جس میں جنگی قیدیوں کے متعلق بظاہر تو مسلمانوں کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تھا مگر اسی اختیار دینے میں ایک اشارہ اس کی طرف بھی کر دیا گیا تھا کہ مسئلہ کے دونوں پہلوؤں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ اور دوسرا ناپسندیدہ ہے۔ جامع ترمذی، سنن نسائی، صحیح ابن حبان میں بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ اس موقع پر حضرت جبرئیلِ امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ حکم سنایا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو چیزوں میں اختیار دے دیجیے ایک یہ کہ ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اُن کو فدیہ یعنی کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اس دوسری صورت میں بامرِ الٰہی یہ طے شدہ ہے کہ اس کے بدلہ آئندہ سال مسلمانوں کے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ صورت اگرچہ تخییر کی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا گیا تھا مگر دوسری صورت میں ستر

مسلمانوں کی شہادت کا فیصلہ ذکر کرنے میں اس طرف ایک خفیف اشارہ ضرور موجود تھا کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند نہیں کیونکہ اگر یہ پسند ہوتی تو ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے جب یہ دونوں صورتوں بطورِ اختیار کے پیش ہوئیں تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال یہ ہوا کہ اگر ان لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ سب یا بعض کسی وقت مسلمان ہو جائیں جو اصلی فائدہ اور مقصدِ جہاد ہے۔ دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمان اس وقت افلاس کی حالت میں ہیں اگر ستر آدمیوں کا مالی فدیہ ان کو مل گیا تو ان کی تکلیف بھی دور ہوگی اور آئندہ کے لیے جہاد کی تیاری میں بھی مدد مل جائے گی۔ رہا ستر مسلمانوں کا شہید ہونا سو وہ مسلمانوں کے لیے خود ایک نعمت و سعادت ہے اُس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ان خیالات کے پیشِ نظر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی رائے دی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ صرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ چند حضرات نے اس رائے سے اختلاف کر کے ان سب کو قتل کر دینے کی رائے اس بنیاد پر دی کہ یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قوت و طاقت فراہم کرنے والے سارے قریشی سردار اس وقت قابو میں آگئے ہیں ان کا قبولِ اسلام تو موہوم خیال ہے مگر یہ گمان غالب ہے کہ یہ لوگ واپس ہو کر پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمی کا سبب بنیں گے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف لائے تھے اور رحمتِ مجسم تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائے دیکھ کر آپ نے اُس رائے کو قبول کر لیا جس میں

قیدیوں کے معاملہ میں رحمت اور سہولت تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

لو اتفقتما ما خا لفتکما .

یعنی اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا۔ (مظہری)

اختلاف رائے کے وقت آپ کی رحمت وشفقت علی الخلق کا تقاضا یہی ہوا کہ اُن کے معاملے میں آسانی اختیار کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے نتیجہ میں آئندہ سال غزوۂ اُحد کے موقع پر اشارات ربانی کے مطابق ستر مسلمانوں کے شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا۔

بدر کے جنگی قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کا فدیہ

ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سوگنی سونا لے کر چلے تھے تاکہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا کہ وہ مع اس سونے کے گرفتار کر لیے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اُس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لیے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا۔ فدیہ اُس کے علاوہ ہونا چاہیے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، میں

بالکل فقیر ہوجاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا جب کہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اُس کی پوری تفصیل بتلادی۔ حضرت عباس کے دل میں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہونے کا یقین ہوگیا۔ اس سے پہلے بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرمادیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت سے مسلمان ہوگئے۔ مگر ان کا بہت سارو پیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا۔ اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا اس لیے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ انفال کی آیت نمبر: ۷۰ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلادیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا اور اخلاص کے ساتھ مؤمن ہوگئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اظہارِ اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ میں لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگہوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے اور اُس پر مزید یہ انعام ہے

کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

معاہدات کی پابندی میں اسوۂ حسنہ

صلح حدیبیہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائے اُس کو رسول اللہ ﷺ واپس کر دیں۔ عین اسی معاملہ صلح کے وقت ابو جندل رضی اللہ عنہ جن کو کفار مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضر خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ جو رحمتِ عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لیے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود سورۂ انفال کی آیت نمبر ۷۲ کے حکم کے مطابق اُن کی امداد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔

واقعۂ غزوۂ حنین ابتداء سے انتہاء تک

حنین، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان ۸ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور قریش مکہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں ہلچل مچ گئی، انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا، کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوگئی ہے، اس سے فارغ

ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رُخ ہماری طرف ہوگا، اس لیے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کردیں، اس کام کے لیے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کرلیا۔ اس قبیلہ کے سب بڑے چھوٹے بجز معدودے چند افراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی، سب ہی جمع ہوگئے۔

اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہوگئے، اور اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے، اس وقت مسلمانوں کیخلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہی میں تھا، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں، اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی دو شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی انہوں نے کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد ﷺ کے خلاف جمع ہوجائے گی تو وہ ان سب پر بھی غالب آئیں گے، ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے، باقی سب کے سب نے معاہدے کیے اور مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، میدان سے گریز کا ان کے لیے کوئی موقع نہ رہا۔ ان کی تعداد کے بارے میں اہلِ تاریخ کے مختلف اقوال ہیں۔ حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا، اور بعض حضرات نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ ممکن ہے کہ سب اہل و

عیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس تا اٹھائیس ہزار ہوں، اور لڑنے والے جوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کے مقابلہ پر جانے کا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے چھوڑا، اور قریشِ مکہ سے اسلحہ اور سامانِ جنگ عاریت کے طور پر مانگا، صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامانِ جنگ ہم سے غصب کر کے لینا چاہتے ہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں، جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی، یہ سُن کر اس نے سو زرہیں مستعار دیں اور نوفل بن حارث نے تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کر دیئے۔ امام زہریؒ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے۔ جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار وہ مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، جن کو طلقاء کہا جاتا ہے، شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ ﷺ اس غزوہ کے لیے نکلے اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا، جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لیے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لیے نکلا، ان کے ساتھ مکہ کے بے شمار لوگ مرد و عورت تماشائی بن کر نکلے، جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر

مسلمانوں کو شکست ہو تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا، اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوۂ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوشِ انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا، میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دوں، میں ان کے ساتھ ہو کر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا، یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑے اور وہ بھاگنے لگے تو میں موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا، مگر دیکھا کہ داہنی طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مجھ پر پڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ، اپنے قریب بلا کر دستِ مبارک مرے سینہ پر رکھ دیا اور دعاء کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں، اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر رہا تھا، اور بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کر دی، کہ تم مکہ سے اس نیت پر چلے تھے اور میرے گرد میرے قتل کے لیے گھوم رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔

اسی طرح کا واقعہ نضر بن حارث کو پیش آیا کہ وہ بھی اسی نیت سے حنین گئے تھے، وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور محبت ڈال دی اور ایک مرد مجاہد بن کر دشمنوں کی صفوں سے ٹکرا گئے۔

اسی سفر میں ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ مقام اوطاس پر پہنچ کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، اور ایک اور شخص آپ کے پاس بیٹھا ہے آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ میں سو گیا تھا، یہ شخص آیا اور میری تلوار اپنے قبضہ میں لے کر میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ اب بتلاؤ تمہیں کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ بچا سکتا ہے، یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، ابو بردہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس دشمنِ خدا کی گردن مار دوں، یہ دشمن قوم کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت صی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بردہ خاموش رہو اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرنے والا ہے، جب تک کہ میرا دین سارے دینوں پر غالب نہ آجائے اور آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی ملامت بھی نہ فرمائی اور آزاد چھوڑ دیا۔

مقامِ حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ گھوڑ سوار آدمی ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروانہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔

اس جگہ ٹھہر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن حداد رضی اللہ عنہ کو

جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی قوم میں جا کر دو دن رہے، سب حالات دیکھتے سنتے رہے، ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد ﷺ کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی ہلہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی مقابلہ کے لیے نکلے تھے اور سامانِ جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا، اور یہ لوگ بدر و اُحد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں سے بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

مالک الملک والملکوت کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابہ کرام ﷺ کے پاؤں اکھڑ گئے اور

بھاگنے لگے، صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام ﷺ جن کی تعداد تین اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پکاروں کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں جنوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیے کہ واپس آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی، اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔

غزوہ حنین میں ظاہری وباطنی فتح

حنین میں قبیلہ ہوازن وثقیف کے کچھ سردار مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے

ہوئے ان کے ساتھ جوان کے اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مالِ غنیمت بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جس میں چھ ہزار قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، جس کے تقریبا چار من ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب کو اموالِ غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

پھر شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر ان کو شکست ہوتی گئی، وہ سخت مرعوب ہوکر طائف کے نہایت مستحکم قلعہ میں بند ہوگئے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ بند دشمن اندر ہی سے تیر برساتے رہے، سامنے آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان لوگوں کے لیے بددعاء فرمایئے، مگر آپ نے ان کے لیے ہدایت کی دعاء فرمائی اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرما کر واپسی کا قصد فرمایا، اور مقام جعرانہ پر پہنچ کر ارادہ فرمایا کہ پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا کریں، پھر مدینہ طیبہ کو واپسی ہو، مکہ والوں کی بڑی تعداد جو تماشائی بن کر مسلمانوں کی فتح وشکست کا امتحان کرنے آئی تھی، اس جگہ پہنچ کر ان میں سے بہت لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔

اسی مقام پر پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا، ابھی اموالِ غنیمت تقسیم ہو ہی رہے تھے کہ دفعۃً ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا،.... جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو یرقان بھی تھے، انہوں نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم

مسلمان ہو چکے ہیں، اور یہ درخواست کی کہ ہمارے اہل وعیال اور اموال ہمیں واپس دیدیئے جائیں، اس درخواست میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم بسلسلۂ رضاعت آپ ﷺ کے خویش وعزیز ہیں، اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں، رئیس وفد ایک شاعر آدمی تھا، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم بادشاہِ روم یا شاہِ عراق سے اپنی ایسی مصیبت کے پیش نظر کوئی درخواست کرتے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ بھی ہماری درخواست کو رد نہ کرتے اور آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے اخلاقِ فاضلہ میں سب سے زیادہ ممتاز فرمایا ہے، آپ ﷺ سے ہم بڑی امید لے کر آئے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ موقع دوہری مشکل کا تھا، کہ ایک طرف ان لوگوں پر رحم وکرم کا تقاضا یہ کہ اُن کے سب قیدی اور اموال ان کو واپس کردیئے جائیں، دوسری طرف یہ کہ اموالِ غنیمت میں تمام مجاہدین کا حق ہوتا ہے، ان سب کو ان کے حق سے محروم کردینا ازروئے انصاف درست نہیں، اس لیے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا :

''میرے ساتھ کس قدر مسلمانوں کا لشکر ہے، جو اِن اموال کے حق دار ہیں، میں سچی اور صاف بات کو پسند کرتا ہوں، اس لیے آپ لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو، یا اموالِ غنیمت، ان دونوں میں جس کو تم انتخاب کرو وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔''

سب نے قیدیوں کی واپسی کو اختیار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع فرما کر ایک خطبہ دیا، جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ :

''یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دیدیئے جائیں تم میں سے جو لوگ خوش دلی کے ساتھ اپنا حصہ واپس دینے کے لیے تیار ہوں وہ احسان کریں اور جو اس کے کے لیے تیار نہ ہوں تو ہم ان کو آئندہ اموال فئے میں سے اس کا بدلہ دیدیں گے''۔

مختلف اطراف سے یہ آواز اٹھی کہ ہم خوش دلی کے ساتھ سب قیدی واپس کرنے کے لیے تیار ہیں، مگر عدل وانصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا، اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لیے خوش دلی سے تیار ہے اور کون ایسے ہیں جو شرما شرمی خاموش رہے، معاملہ لوگوں کے حقوق کا ہے، اس لیے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح بات معلوم کر کے مجھے بتائیں۔

اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لیے تیار ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔

دورِ جاہلیت میں محترم مہینوں میں رد بدل کا رسمِ بد

عرب کی یہ رسمِ بد ایک واقعہ سے متعلق ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عہدِ قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب واحترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے، تین مہینے

مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ تھا۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل وقتال بھی ممنوع تھا۔

مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسماعیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، اس لیے یہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے اور چونکہ ملتِ ابراہیم میں بھی ان چار مہینوں (یعنی اشہر حرم) میں قتل وقتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت پر اس حکم کی تعمیل اس لیے سخت دشوار تھی، کہ دَورِ جاہلیت میں قتل وقتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لیے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لیے طرح طرح کے حیلے نکالے کبھی اشہر حرم کے کسی مہینہ میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا، اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا، محرم بعد میں آئے گا اس طرح محرم کو صفر بنادیا، غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعیین کا لحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں، جس کو چاہیں مقدم کردیں جس کو چاہیں مؤخر کردیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گزر گئے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے تو

ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے، اور کہتے کہ اب کے سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے۔

غرض دین ابراہیمی کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل وقتال سے باز رہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب مہینوں کی متعین فرمائی اور اسی ترتیب سے چار مہینوں کو اشہر حرم قرار دیا، اس میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ، ذی الحجہ یا رجب کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو موسمِ حج میں تمام کفار مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا، مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ مقرر تھا، پھر ۱۰ ھ میں جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا، اہلِ جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ استَدَارَ کَھَیئَتِہٖ یَوم خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ ۔

یعنی زمانہ پھر پھرا کر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین و

آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

واقعہ غزوۂ تبوک ابتداء سے انتہاء تک

تبوک، مدینہ کے شمال میں سرحدِ شام پر ایک مقام کا نام ہے، شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ھ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اُس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آچکے تھے، اور مشرکینِ مکہ کی آٹھ سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔

مگر جس ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دیدی تھی اس کو اور اس کے رفقاءِ کار کو فرصت کہاں، مدینہ پہنچتے ہی ملکِ شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتون کا تیل لاکر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہِ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام، تبوک میں سرحد شام پر جمع کردی ہیں، اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کردیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی سازباز ہے، ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمالیا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں .... مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں۔ (تفسیر مظہری بحوالہ محمد بن یوسف صالحی)

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا، اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کے گذارہ کا مدار تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہوجاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں، ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی امید، اس پر مزید موسمِ گرما کی شدت اس قوم کے لیے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ سال مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی صبر آزما امتحان تھا۔

مگر وقت کا تقاضا تھا، اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لیے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی اور یہاں ہرقل شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا، اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیدیا، اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکتِ جہاد کے لیے دعوت دی تھی۔

یہ اعلانِ عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا اور منافق دعویداروں کا امتیاز بھی، اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہوگئے، قرآن کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں۔

ایک حالت ان کامل مکمل حضرات کی تھی جو بلا تردد جہاد کے لیے تیار ہوگئے، دوسرے وہ لوگ جو ابتداء کچھ تردد کے بعد ساتھ ہوگئے، ان دونوں طبقوں کے متعلق

قرآن کریم نے فرمایا :

اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِی سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ .

''یعنی وہ لوگ قابلِ مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسولِ کریم ﷺ کا اتباع کیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے''۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بناء پر اس جہاد میں نہ جاسکے، اس کے متعلق قرآن کریم نے آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمادیا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے، ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ

اور

اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰه

اور

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الاٰ .

یہ تینوں آیتیں ایسے ہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں، جن میں ان کی کاہلی پر زجر وتنبیہ بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق

کو چھپا نہ سکا، اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے:

وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ .

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ .

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ ينالوا .

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکتِ جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اسی لیے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہِ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذِ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوۂ تبوک میں عدمِ شرکت پر تنبیہ

صحیحین بخاری و مسلم اور اکثر کتبِ حدیث میں اس واقعہ کے متعلق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث لکھی گئی ہے، جو بہت سے فوائد اور مسائل اور حقائق پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا پورا ترجمہ

کو چھپا نہ سکا، اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے:

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ .

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ .

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ ينالوا .

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکتِ جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اسی لیے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہِ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذِ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوۂ تبوک میں عدمِ شرکت پر تنبیہ

صحیحین بخاری و مسلم اور اکثر کتبِ حدیث میں اس واقعہ کے متعلق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث لکھی گئی ہے، جو بہت سے فوائد اور مسائل اور حقائق پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا پورا ترجمہ

کو چھپا نہ سکا، اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے:

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ .

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ .

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ ينالوا .

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکتِ جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اسی لیے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہِ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذِ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوۂ تبوک میں عدمِ شرکت پر تنبیہ

صحیحین بخاری و مسلم اور اکثر کتبِ حدیث میں اس واقعہ کے متعلق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث لکھی گئی ہے، جو بہت سے فوائد اور مسائل اور حقائق پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا پورا ترجمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں کہیں جاتا تو یہ بات مجھے غمگین کرتی تھی کہ اس وقت پورے مدینہ میں یا تو وہ لوگ نظر پڑتے تھے جو نفاق میں ڈوبے ہوئے تھے، یا پھر ایسے بیمار معذور جو قطعاً سفر کے قابل نہ تھے دوسری طرف پورے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا خیال کہیں نہیں آیا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، اس وقت آپ ﷺ نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا (وہ کہاں ہیں)؟

بنو سلمہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان کو جہاد سے ان کے عمدہ لباس اور اس پر نظر کرتے رہنے نے روکا ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ تم نے یہ بری بات کہی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور قریب تھا کہ میں اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر گھڑ کر تیار کر لیتا اور ایسی باتیں پیش کر دیتا جس کے ذریعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے نکل جاتا اور اس کے لیے اپنے اہل اور دوستوں سے بھی مدد لے لیتا (میرے دل میں یہ خیالات، وساوس گھومتے رہے) یہاں تک کہ جب یہ خبر ملی کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں تو خیالاتِ فاسدہ میرے دل سے مٹ گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ میں آپ ﷺ کی ناراضی سے کسی ایسی بنیاد پر نہیں نکل سکتا جس میں جھوٹ ہو، اس لیے میں نے بالکل سچ بولنے کا عزم کر لیا کہ مجھے صرف سچ ہی نجات دلا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو (حسب عادت) چاشت

کے وقت یعنی صبح کو آفتاب کچھ بلند ہونے کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور عادتِ شریفہ یہی تھی کہ سفر سے واپسی کا عموماً یہی وقت ہوا کرتا تھا، اور عادت یہ تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، دو رکعتیں پڑھتے، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے، اس کے بعد ازواج مطہّرات رضی اللہ تعالیٰ علیھنَّ سے ملتے تھے۔

اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ اول مسجد میں تشریف لے گئے، دو رکعت ادا کی، پھر مسجد میں بیٹھ گئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے منافقین جن کی تعداد اسی ۸۰ سے کچھ اوپر تھی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے عذر پیش کر کے اس پر جھوٹی قسمیں کھانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری قول و قرار اور قسموں کو قبول کرلیا، اور ان کو بیعت کرلیا، ان کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی اور ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کیا۔

اسی حال میں میں بھی حاضرِ خدمت ہو گیا اور چلتے چلتے سامنے جا کر بیٹھ گیا، جب میں نے سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبسم فرمایا جیسے ناراض آدمی کبھی کیا کرتا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ پھیرلیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ سے چہرۂ مبارک کیوں پھیرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے نفاق نہیں کیا، نہ دین کے معاملہ میں کسی شبہ و شک میں مبتلا ہوا، نہ اس میں کوئی تبدیلی کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جہاد میں کیوں نہیں گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟

میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ ﷺ اگر میں آپ ﷺ کے سوا دنیا کے کسی دوسرے آدمی کے سامنے بیٹھتا تو مجھے یقین ہے کہ میں کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضی

سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے جدال اور بات بنانے میں مہارت حاصل ہے، لیکن قسم ہے اللہ کی کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر میں نے آپ ﷺ سے کوئی جھوٹی بات کہی جس سے آپ ﷺ وقتی طور پر راضی ہو جائیں تو کچھ دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال آپ ﷺ پر کھول کر مجھ سے ناراض کر دیں گے، اور اگر میں نے سچی بات بتلا دی جس سے بالفعل آپ مجھ پر ناراض ہوں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دیں گے، صحیح بات یہ ہے کہ جہاد سے غائب رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں تھا، میں کسی وقت بھی مالی اور جسمانی طور پر اتنا قوی اور پیسے والا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے تو سچ بولا ہے، پھر فرمایا کہ اچھا جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ فرما دیں، میں یہاں سے اُٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے چند آدمی میرے پیچھے لگے، اور کہنے لگے کہ اس سے پہلے تو ہمارے علم میں تم نے کوئی گناہ نہیں کیا، یہ تم نے کیا بے وقوفی کی کہ اس وقت کوئی عذر پیش کر دیتے جیسا دوسرے شرکت نہ کرنے والے منافقین نے پیش کیے ہیں، اور تمہارے گناہ کی معافی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کافی ہو جاتا، بخدا یہ لوگ مجھے بار بار ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں لوٹ جاؤں، اور پھر جا کر عرض کروں کہ میں نے جو بات پہلے کہی تھی وہ غلط تھی، میرا عذر صحیح موجود تھا۔

مگر پھر میں نے دل میں کہا کہ میں ایک گناہ کے دو گناہ نہ بناؤں، ایک گناہ تو تخلّف کا سرزد ہو چکا ہے دوسرا گناہ جھوٹ بولنے کا کر گزروں، پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ عدم شرکت کرنے والا میں کوئی اور بھی میرے ساتھ ہے، جس نے اپنے

جرم کا اعتراف کرلیا ہو، ان لوگوں نے بتلایا کہ دو آدمی اور ہیں جنہوں نے تمہاری طرح اقرار جرم کرلیا، اوران کو بھی وہی جواب دیا گیا جو تمہیں کہا گیا ہے، (کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو) میں نے پوچھا کہ وہ دوکون ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ایک مرارہ ابن ربیع العمری دوسرے ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے پہلے (یعنی مرارہ رضی اللہ عنہ) کے تخلف (عدمِ شرکت) کا تو سبب یہ ہوا کہ ان کا ایک باغ تھا جس کا پھل اس وقت پک رہا تھا، تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد میں نہ جاؤ تو کیا جرم ہے، اس کے بعد جب انہیں اپنے گناہ پر تنبہ ہوا تو انہوں نے اللہ سے عہد کرلیا کہ یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا۔

اور دوسرے بزرگ حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہوا کہ اُن کے اہل و عیال عرصہ سے متفرق تھے، اس موقع پر سب جمع ہوگئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اپنے اہل وعیال میں بسر کروں، ان کو بھی جب اپنے گناہ کا خیال آیا توانہوں نے یہ عہد کیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علیحدگی اختیار کرلوں گا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے دو بزرگوں کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں، تو میں نے کہا کہ بس میرے لیے انھی دونوں بزرگوں کا عمل قابلِ تقلید ہے، یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا گیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرمادیا، اس وقت ہم تو سب مسلمانوں سے بدستور محبت کرتے تھے مگر اُن سب کا رُخ ہم سے پھر گیا تھا۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ اب ہمارا حال یہ ہوگیا کہ ہم لوگوں کے پاس جاتے تو کوئی ہم سے کلام نہ کرتا نہ سلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس وقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی ایسا معلوم ہونے لگا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے نہ ہمارے باغ اور مکان وہ ہیں جو پہلے تھے سب اجنبی نظر آنے لگے مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اس حال میں مرگیا تو حضور ﷺ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اسی طرح سب لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا، اس کی وجہ سے میرے لیے ساری زمین بیگانہ وویران نظر آنے لگی، اسی حال میں ہم پر پچاس راتیں گزر گئیں، اس زمانہ میں میرے دونوں ساتھی (مرارہ اور ہلال) تو شکستہ دل ہوکر گھر میں بیٹھ رہے، اور رات دن روتے تھے، لیکن میں جوان آدمی تھا، باہر نکلتا اور چلتا پھرتا تھا اور نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا مگر نہ کوئی مجھ سے کلام کرتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نماز کے بعد حاضر ہوتا اور سلام کرتا تو یہ دیکھا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک کو جواب سلام کے لیے حرکت ہوئی یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا تو نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوجاتا ہوں تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو رُخ پھیر لیتے ہیں۔

جب لوگوں کی یہ بے وفائی دراز ہوئی تو ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو میرے سب سے زیادہ دوست تھے میں اُن کے باغ میں

دیوار پھاند کر داخل ہوا اور ان کو سلام کیا، خدا کی قسم انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے پوچھا کہ اے قتادہ رضی اللہ عنہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، اس پر بھی قتادہ نے سکوت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، جب میں نے بار بار یہ سوال دُھرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسول ﷺ، میں رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آ گیا، اسی زمانہ میں ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک نبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لیے شام سے مدینہ میں آیا تھا اس کو دیکھا کہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کیا، وہ آدمی میرے پاس آ گیا اور مجھے شاہِ غسان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی ﷺ نے آپ سے بیوفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے، تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آ جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے''۔

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ اور ایک میرا امتحان اور آزمائش آئی کہ اہلِ کفر کو مجھ سے اس کی طمع اور توقع ہوگئی (کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں) میں یہ خط لے کر آگے بڑھا ایک دُکان پر تنور لگا ہوا تھا اس میں جھونک دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گزر چکی تھیں تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزیمہ بن ثابت

میرے پاس آ رہے ہیں، آ کر یہ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرلو، میں نے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں یا کیا کروں؟ انہوں نے بتلایا کہ نہیں عملاً اس سے الگ رہو قریب نہ جاؤ، اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا، میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

یہ حکم سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں، ابن ابی شیبہؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف البصر بھی ہیں کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں، فرمایا کہ خدمت کرنے کی ممانعت نہیں البتہ وہ تمہارے پاس نہ جائیں، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو بڑھاپے کی وجہ سے ایسے ہوگئے ہیں کہ انہیں کوئی حرکت ہی نہیں، اور واللہ اُن پر تو مسلسل گریہ طاری ہے، رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بھی میرے بعض متعلقین نے مشورہ دیا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت لے لو جیسا کہ آپ نے ہلال کو اجازت دیدی ہے، میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں، اس کے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (بیوی کو ساتھ رکھنا احتیاط کے خلاف ہے) چنانچہ اسی حال پر میں نے دس راتیں اور گزاریں، یہاں تک کہ پچاس راتیں مکمل ہوگئیں، مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گزرنے کے وقت نازل ہوئی، ام المومنین

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو اُس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے، آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا، رات کی نیند مشکل ہو جائے گی۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پچاسویں رات کے بعد صبح کی نماز پڑھ کر میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو چکی تھی اچانک میں نے سلع پہاڑ کے اوپر سے کسی چلانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بشارت ہو۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ بلند آواز سے کہنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے جبل سلع پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمالی بشارت ہو، اور عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ یہ خوشخبری حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو سنانے کے لئے دو آدمی دوڑے ان میں سے ایک آگے بڑھ گیا تو جو پیچھے رہ گیا تھا اس نے یہ کیا کہ سلع پہاڑ پر چڑھ کر آواز دیدی اور کہا جاتا ہے کہ یہ دوڑنے والے دو بزرگ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر گیا اور انتہائی فرحت سے رونے لگا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اب کشادگی آ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی، اب سب طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارکباد دینے کے لیے دوڑ پڑے، بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی آواز سب سے پہلے پہنچ گئی۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لیے آرہے تھے، کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے گرد صحابہ کرام کا مجمع ہے، مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبیداللہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کر کے قبولِ توبہ پر مبارک باد دی، طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے کعب رضی اللہ عنہ بشارت ہو تمہیں ایسے مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لیکر آج تک سب سے زیادہ بہتر دن ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے، تم نے سچ بولا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرما دیا۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سب مال و متاع سے نکل جاؤں کہ سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں، آپ نے فرمایا نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لیے رہنے دو یہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کردوں، آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا، میں نے پھر ایک تہائی مال کی اجازت مانگی، تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لیے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا، پھر فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمد للہ کہ آج تک کوئی کلمہ

جھوٹ کا میری زبان پرنہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے، کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم: اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑجاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانے والے ہلاک ہوئے، جن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا :

سَیَحلِفُوْنَ بِاللّٰه لَکُم اِذَا انقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ سے لیکر فَاِنَّ الله لاَ یَرضیٰ عَنِ القَوْمِ الفَاسِقِیْنَ. تک بعض

بعض حضرات نے فرمایا کہ ان تینوں حضرات سے مقاطعہ کا پچاس دن تک جاری رہنا شاید اس حکمت پر مبنی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک میں پچاس دن ہی صرف ہوئے تھے۔ (یہ پوری روایت اور تفصیلی واقعہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے)۔

قومِ یونس علیہ السلام کی قبولیتِ دعاء

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ جس کا کچھ حصہ تو خود قرآن میں مذکور ہے اور کچھ روایاتِ حدیث و تاریخ سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عراق میں موصل کے مشہور مقام نینوی میں بستی تھے، ان کی تعداد قرآن کریم میں ایک لاکھ سے زیادہ بتلائی ہے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا، حق تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو آگاہ کردو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے"۔ حضرت یونس علیہ السلام نے قوم میں اس کا اعلان کردیا، قوم

یونس نے آپس میں مشورہ کیا تو اس پر سب کا اتفاق ہوا کہ ہم نے کبھی یونس علیہ السلام کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اس لیے ان کی بات نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، مشورہ میں یہ طے ہوا کہ یہ دیکھا جائے کہ یونس علیہ السلام رات کو ہمارے اندر اپنی جگہ مقیم رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ یہاں سے کہیں چلے گئے تو یقین کر لو کہ صبح کو ہم پر عذاب آئے گا حضرت یونس علیہ السلام بارشاد خاوندی رات کو اس بستی سے نکل گئے، صبح ہوئی تو عذابِ الٰہیہ ایک سیاہ دھوئیں اور بادل کی شکل میں ان کے سروں پر منڈلانے لگا اور فضاء آسمانی سے نیچے ان کے قریب ہونے لگا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب ہم سب ہلاک ہونے والے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر مشرف بایمان ہو جائیں اور پچھلے انکار سے توبہ کر لیں مگر یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو خود ہی اخلاصِ نیت کے ساتھ توبہ و استغفار میں لگ گئے، بستی سے ایک میدان میں نکل آئے، عورتیں بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیئے گئے، ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ اس میدان میں توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ وبکاء سے گونجنے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور عذاب ان سے ہٹا دیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے،

فلو لا كانت قرية آمنت فنفعها ايمانها الاّ قوم يونس بما آمنوا كشفها عنهم عذاب الخزى فى الحيوة الدنيا ومتعنهم الى حين. (يونس: ۹۸)

روایات میں ہے کہ یہ عاشورا یعنی دسویں محرم کا دن تھا۔

یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں جانے کا واقعہ

ادھر حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہوگا، ان کے توبہ واستغفار کا حال ان کو معلوم نہ تھا، جب عذاب ٹل گیا تو ان کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا کیونکہ میں نے اعلان کیا تھا کہ تین دن کے اندر عذاب آجائے گا، اس قوم میں قانون یہ تھا کہ جس شخص کا جھوٹ معلوم ہو اور وہ اپنے کلام پر کوئی شہادت نہ پیش کرے تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا، یونس علیہ السلام کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام ہر گناہ و معصیت سے معصوم ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت و طبیعت سے جدا نہیں ہوتے، اس وقت یونس علیہ السلام کو طبعی طور پر یہ خیال آیا کہ میں نے بحکم الٰہی اعلان کیا تھا اور اب میں اعلان کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا جاؤں گا، اپنی جگہ واپس جاؤں تو کس منہ سے جاؤں اور قوم کے قانون کے مطابق گردن زدنی بنوں، اس رنج وغم اور پریشانی کے عالم میں اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کر کے چل دیئے یہاں تک کہ بحر روم کے کنارہ پر پہنچ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جس میں لوگ سوار ہو رہے تھے، یونس علیہ السلام کو ان لوگوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کر لیا، کشتی روانہ ہو کر جب وسط دریا میں پہنچ گئی تو دفعۃً ٹھہر گئی، نہ آگے بڑھتی ہے نہ پیچھے چلتی ہے، کشتی والوں نے منادی کی کہ ہماری اس کشتی کی منجانب اللہ یہی شان ہے کہ جب اس میں کوئی ظالم گناہگار یا بھاگا ہوا غلام سوار ہو جاتا ہے تو یہ کشتی خود بخود رک جاتی ہے، اس آدمی کو ظاہر کر دینا چاہیے تاکہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر مصیبت نہ آئے۔

حضرت یونس علیہ السلام بول اٹھے کہ وہ بھاگا ہوا غلام گناہگار میں ہوں، کیونکہ اپنے شہر سے غائب ہو کر کشتی میں سوار ہونا ایک طبعی خوف کی وجہ سے تھا باذنِ الٰہیہ نہ تھا، اس بغیر اذن کے اس طرف آنے کو حضرت یونس علیہ السلام کی پیغمبرانہ شان نے ایک گناہ قرار دیا کہ پیغمبر کی کوئی نقل وحرکت بلا اذن کے نہ ہونی چاہیے تھی اس لیے فرمایا کہ مجھے دریا میں ڈال دو تو تم سب اس عذاب سے بچ جاؤ گے، کشتی والے اس پر تیار نہ ہوئے بلکہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تاکہ قرعہ میں جس کا نام نکل آئے اس کو دریا میں ڈالا جائے، اتفاقاً قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا، ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو کئی مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر مرتبہ بحکم قضاء وقدر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام آتا رہا، قرآنِ کریم میں اس قرعہ اندازی اور اس میں یونس علیہ السلام کا نام نکلنے کا ذکر موجود ہے، فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ . یونس علیہ السلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ان کے مخصوص پیغمبرانہ مقام کی وجہ سے تھا کہ اگرچہ انہوں نے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ اور معصیت کہا جاتا ہے اور کسی پیغمبر سے اس کا امکان نہیں، کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن پیغمبر کے مقام بلند کے مناسب نہ تھا کہ محض خوفِ طبعی سے کسی جگہ بغیر اذنِ خداوندی منتقل ہو جاویں، اس خلاف شان عمل پر بطورِ عتاب یہ معاملہ کیا گیا۔

ایک طرف قرعہ میں نام نکال کر دریا میں ڈالے جانے کا سامان ہو رہا تھا دوسری طرف ایک بہت بڑی مچھلی بحکمِ خداوندی کشتی کے قریب منہ پھیلائے ہوئے لگی ہوئی تھی کہ یہ دریا میں آئیں تو ان کو اپنے پیٹ میں جگہ دے، جس کو حق تعالیٰ نے پہلے سے حکم دے رکھا تھا کہ یونس علیہ السلام کا جسم جو تیرے پیٹ کے اندر رکھا جائے گا یہ تیری غذا

نہیں بلکہ ہم نے تیرے پیٹ کو ان کا مسکن بنایا ہے، یونس علیہ السلام دریا میں گئے تو فوراً اس مچھلی نے منہ میں لے لیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یونس علیہ السلام اس مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز رہے یہ ان کو زمین کی تہ تک لے جاتی اور دور دراز کی مسافتوں میں پھراتی رہی، بعض حضرات نے سات، بعض نے پانچ دن اور بعض نے ایک دن کے چند گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت بتلائی ہے۔ (مظہری)

حقیقتِ حال حق تعالیٰ کو معلوم ہے، اس حالت میں حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دُعاء کی :

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ .

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا اور بالکل صحیح وسالم یونس علیہ السلام کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا۔

مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے ان کے بدن پر کوئی بال نہ رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قریب ایک کدو (لوکی) کا پودا اگا دیا، جس کے پتوں کا سایہ بھی حضرت یونس علیہ السلام کے لیے ایک راحت بن گیا، اور ایک جنگلی بکری کو اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا کہ وہ صبح وشام ان کے پاس آ کھڑی ہوتی اور وہ اس کا دودھ پی لیتے تھے۔

اس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو اس لغزش پر تنبیہ بھی ہوگئی اور بعد میں ان کی قوم کو بھی پوار حال معلوم ہوگیا۔

یہودی کا قبولِ اسلام اور حفاظت قرآن کی ایک دلیل

امام قرطبیؒ نے سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المؤمنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث و

مباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس مین ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے امتحان لینے کے لیے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا۔

اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لیے تورات کے تین نسخے کتابت کیے، جن میں بہت جگہ پر اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لیے، پھر یہی

کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کیے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لیے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لیے مسلمان ہو گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا انہوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

قاضی یحییٰ بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات اور انجیل کا ذکر کیا ہے، اس کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

بما استحفظوا من کتب الله

یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا:

انا له لحفظون یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

ایک آیت سن کر پوری قوم کا قبولِ اسلام

امام ابن کثیر نے حافظ حدیث ابو یعلیٰ کی کتاب معرفۃ الصحابہ ﷺ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے، جب ان کو رسول اللہ

ﷺ کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں، آپ کا خود جانا مناسب نہیں، اکثم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں، اور حالات کا جائزہ لے کر مجھ کو بتلائیں، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں اور اکثم کے دو سوال یہ ہیں؟

من انت و ما انت ''آپ کون ہیں اور کیا ہیں''

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس کے بعد آپ نے سورہ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

ان الله يامر بالعدل و الاحسان . الآية

ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنایئے، آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہوگئی۔

قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں، مگر آپ ﷺ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف باپ کا نام بیان کردینے پر اکتفاء کیا، مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ ﷺ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں، اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی، آیت سنتے ہی اکثم رضی اللہ عنہ نے

کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے رذیل اخلاق سے روکتے ہیں، تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ تا کہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو، پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

واقعۂ معراج کی تفصیلات

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

سبحان الذی أسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من آیٰتنا، انہ ھو السمیع البصیر. (الاسرار: ۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تا کہ ہم انہیں نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔''

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیث متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا۔ جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو براق کو دروازہ کے قریب باندھ دیا اور آپ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس میں نیچے سے اوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے اس زینہ کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے اس کے بعد باقی

آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا، آج کل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دنیا میں رائج ہیں ایسے زینے بھی جو خود حرکت میں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں اس معجزانہ زینہ کے متعلق کسی شک وشبہ میں پڑنے کا کوئی مقام نہیں) ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں قلم تقدیر کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ جل شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جن کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا، اسی جگہ حضرت جبرائیل امین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے افق کو گھیرا ہوا تھا۔ رفرف مسند سبز، ہرے رنگ کی پالکی اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جس کے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے، اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی امت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں، اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ کے ساتھ اترے (گویا) آپ کو رخصت کرنے کے لیے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ امامتِ انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء سے جبرئیل امین نے آپ کا تعارف کرایا۔ اگر واقعہ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے پھر جب اس اصل کام سے فراغت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ مشائیت (رخصت) کے لیے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبرئیل امین کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظّمہ پہنچ گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

واقعۂ معراج کے ایک عیسائی پادری کی گواہی

تفسیر ابن کثیر مین ہے کہ حافظ ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر حضرت دحیہ ابن خلیفہ ﷺ کو بھیجا اس کے بعد حضرت دحیہ ﷺ کے خط پہنچانے اور شاہ روم تک پہنچنے اور اس کے صاحب عقل وفراست ہونے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا۔(جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے جس کے آخر میں ہے کہ شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق کرنے کے لیے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے وہ حاضر کیے گئے شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کیے جن کی تفصیل صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ابوسفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور میں بادشاہ کی نظر سے گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں۔البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا۔تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کرلیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے۔ابوسفیان نے کہا کہ یہ مدعی نبوت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں

صبح سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیا، (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم، اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں، شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا۔ جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں۔ اس رات میں نے حسبِ عادت تمام دروازے بند کردیئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے اپنے عملہ کے لوگوں کو بلایا انہوں نے مل کر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہوسکا دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہوکر کاریگروں اور نجاروں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں پر عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں، صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا جاوے۔ میں مجبور ہوکر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن (سوراخ) کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھا گیا ہے۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لیے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کے چند واقعات اور اللہ پاک کی طرف سے عذاب

حضرت سلیمان علیہ السلام بانی مسجد اقصیٰ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد پیش آیا کہ بیت المقدس کے حاکم نے بے دینی اور بد عملی اختیار کرلی تو مصر کا ایک بادشاہ اس پر چڑھ آیا اور بیت المقدس کا سامان سونے چاندی کا لوٹ کر لے گیا مگر شہر اور مسجد کو منہدم نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ

اس سے تقریبا چار سو سال بعد کا ہے کہ بیت المقدس میں بسنے والے بعض یہودیوں نے بت پرستی شروع کردی اور باقیوں میں نااتفاقی اور باہمی جھگڑے ہونے لگے اس کی نحوست سے پھر مصر کے کسی بادشاہ نے ان پر چڑھائی کردی اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا، پھر ان کی حالت کچھ سنبھل گئی۔

تیسرا واقعہ

اس کے چند سال بعد جب بخت نصر شاہ بال نے بیت المقدس پر چڑھائی کردی اور شہر کو فتح کر کے بہت سامان لوٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے اس شہر کا حاکم بنادیا۔

چوتھا واقعہ

اس نئے بادشاہ نے جو بت پرست اور بد عمل تھا بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت

نصر دوبارہ چڑھ آیا اور کشت وخون اور قتل وغارت کی کوئی حد نہ رہی شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چار سو پندرہ سال کے بعد پیش آیا اس کے بعد یہود یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے جہاں نہایت ذلت وخواری سے رہتے ہوئے ستر سال گزر گئے اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کر کے بابل فتح کرلیا۔ پھر شاہ ایران کو ان جلاوطن یہودیوں پر رحم آیا اور ان کو واپس ملک شام میں پہنچا دیا اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کر دیا۔ اب یہود اپنے اعمال اور معاصی سے تائب ہو چکے تھے۔ یہاں نئے سرے سے آباد ہوئے تو شاہ ایران کے تعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنا دیا۔

پانچواں واقعہ

یہ پیش آیا کہ جب یہود کو یہاں اطمینان اور آسودگی دوبارہ حاصل ہوگئی تو اپنے ماضی کو بھول گئے اور پھر بدکاری اور بداعمالی میں منہمک ہو گئے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جس بادشاہ نے انطاکیہ آباد کیا تھا اس نے چڑھائی کر دی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا، چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بہت بے حرمتی کی مگر عمارت مسجد کی بچ گئی مگر پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بیت المقدس پر سلاطینِ روم کی حکومت ہوگئی انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چھٹا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور رفعِ جسمانی کے چالیس برس بعد یہ واقعہ پیش

آیا کہ یہودیوں نے اپنے حکمران سلاطینِ روم سے بغاوت اختیار کرلی رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کو تباہ کر کے وہی حالت بنادی جو پہلے تھی اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطس تھا جو نہ یہودی تھا نہ نصرانی کیونکہ اس کے بہت روز کے بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا ہے اور اس کے بعد سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ یہ چھ واقعات تفسیر بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر حقانی لکھے گئے ہیں۔

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا جب یہ شخص اپنے والد کو لیکر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایہ (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں

جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا، اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سنی اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی جو ایک معجزہ ہے) پھر اس نے عرض کیا کہ یہ حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار ذیل سنائے:

غذو تک مولودا ومنتک یا فعا

تعل بما اجنی علیک و تنهل

''میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی۔''

اذا لیلة ضافتک بالسقم لم ابت

لسقمک الا ساهرا اتململ

''جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آ گئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قرار میں گذاری۔''

کأنی انا المطروق دونک بالذی

طرقت به دونی فعینی تهمل

''گویا تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں، جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔''

تخاف الردیٔ نفسی علیک و انها

لتعلم ان الموت وقت موجل

''میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے پہلے پیچھے نہیں ہوسکتی۔''

فلما بلغت السن و الغاية التی

اليها مدی ما کنت فيک اومل

''پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔''

جعلت جزائی غلظة و فظاظة

کانک انت المنعم المتفضل

''تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا گویا کہ تم مجھ پر ہی احسان و انعام کر رہے ہو۔''

فليتک اذلم ترع حق ابوتی

فعلت کما الجار المصاقب يفعل

''کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔''

فاوليتنی حق الجوار ولم تکن

علی بمال دون مالک تبخل

''تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔''

رسول ﷺ نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: انت و مالک لابيک ۔ یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۲۴۶ ج ۱۰)

لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہنے کا عمل

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین کی آنکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے تھے اس کے اثر سے کفار آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں۔ ایک آیت سورہ کہف میں ہے یعنی

انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ و فی آذانھم وقرًا .

دوسری آیت سورہ نحل میں ہے:

اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم و سمعھم و ابصارھم .

اور تیسری آیت سورہ جاثیہ میں ہے:

افرء یت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم و ختم علیٰ سمعہ وقلبہ و جعل علی بصرہ غشوۃ .

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا اس کو کسی ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک وہاں مقیم رہا پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اس شخص کو وہ روایت یاد آئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں نے رے کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی۔ اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار

کرلیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ تین آیتیں پڑھ لیں اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالدیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑے سے چھو جاتے تھے۔

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ان تینوں کے ساتھ وہ آیات سورہ یٰس کی بھی ملا لی جائیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت پڑھا تھا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا آپ نے یہ آیات پڑھیں اور ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے چلے گئے بلکہ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ان میں سے کسی کو خبر نہیں ہوئی وہ آیات سورہ یٰس کی یہ ہیں۔

یٰس والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قوما ما انذر اٰبآؤھم فھم غافلون. لقد حق القول علی اکثرھم فھم لا یؤمنون . انا جعلنا فی اعناقھم اغللا فھی الی الاذقان فھم مقمحون . وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشینھم فھم لا یبصرون .

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منثور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا دشمن نے دو گھڑ سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا کوئی چیز پردہ کرنے والی نہ تھی مگر میں سورہ یٰس کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا یہ دونوں سوار میرے برابر

سے گذرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھ سے اندھا کر دیا تھا۔ (قرطبی)

اصحاب کہف کا واقعہ

اس قصہ کو پوری تفصیل اور استیعاب کے ساتھ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں مختلف روایات سے نقل فرمایا ہے، مگر یہاں صرف وہ مختصر واقعہ لکھا جاتا ہے جس کو ابن کثیر نے سلف وخلف کے بہت سے مفسرین کے حوالہ سے پیش کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

''اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تھے، قوم بت پرست تھی، ایک روز ان کی قوم اپنے کسی مذہبی میلے کے لیے شہر سے باہر نکلی، جہاں ان کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا، وہاں جا کر یہ لوگ اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے اور ان کے لیے جانوروں کی قربانی دیتے تھے، ان کا بادشاہ ایک جبار ظالم دقیانوس نامی تھا، جو قوم کو اس بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، اس سال جبکہ پوری قوم اس میلے میں جمع ہوئی، تو یہ اصحاب کہف نوجوان بھی پہنچے، اور وہاں اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھیں کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھروں کو خدا سمجھتے، اور ان کی عبادت کرتے اور ان کے لیے قربانی کرتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عقلِ سلیم عطا فرمادی کہ قوم کی اس احمقانہ حرکت سے ان کو نفرت ہوئی، اور عقل سے کام لیا تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ عبادت تو صرف اس ذات کی ہونی چاہیے جس نے

زمین وآسمان اور ساری مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، یہ خیال بیک وقت ان چند نوجوانوں کے دل میں آیا، اوران میں سے ہر ایک نے قوم کی اس احمقانہ عبادت سے بچنے کے لیے اس جگہ سے ہٹنا شروع کیا، ان میں سب سے پہلے ایک نوجوان مجمع سے دور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، اسکے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور وہ بھی اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا اس کی طرح پھر تیسرا اور چوتھا آدمی آتا گیا، اور درخت کے نیچے بیٹھتا رہا، مگر ان میں کوئی دوسرے کو نہ پہچانتا تھا اور نہ یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے، مگر ان کو درحقیقت اس قدرت نے یہاں جمع کیا تھا جس نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرمایا''۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ لوگ تو باہمی اجتماع کا سبب قومیت اور جنسیت کو سمجھتے ہیں، مگر حقیقت وہ ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ درحقیقت اتفاق وافتراق اول ارواح میں پیدا ہوتا ہے، اس کا اثر اس عالم کے ابدان میں پڑتا ہے، جن روحوں کے درمیان ازل میں مناسبت اور اتفاق پیدا ہوا وہ یہاں بھی باہم مربوط اور ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور جن میں یہ مناسبت اور باہمی توافق نہ ہوا بلکہ وہاں علیحدگی رہی ان میں یہاں بھی علیحدگی رہے گی، اسی واقعہ کی مثال کو دیکھو کہ کس طرح الگ الگ ہر شخص کے دل میں ایک ہی خیال پیدا ہوا اس خیال نے ان سب کو غیر شعوری طور پر ایک جگہ جمع کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک جگہ جمع تو ہو گئے، مگر ہر ایک اپنے عقیدہ کو دوسرے سے اس لیے چھپاتا تھا کہ یہ کہیں جا کر بادشاہ کے پاس مخبری نہ کر دے اور میں گرفتار

ہو جاؤں، کچھ دیر سکوت کے عالم میں جمع رہنے کے بعد ان میں سے ایک شخص بولا کہ بھائی ہم سب کا قوم سے علیحدہ ہو کر یہاں پہنچنے کا کوئی سبب تو ضرور ہے، مناسب یہ ہے کہ ہم سب باہم ایک دوسرے کے خیال سے واقف ہو جائیں، اس پر ایک شخص بول اٹھا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی قوم کو جس دین و مذہب اور جس عبادت میں مبتلا پایا مجھے یقین ہو گیا کہ یہ باطل ہے، عبادت تو صرف اللہ جل شانہ کی ہونی چاہیے، جس کا تخلیق کائنات میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اب تو دوسروں کو بھی موقع مل گیا، اور ان میں سے ہر ایک نے اقرار کیا کہ یہی عقیدہ اور خیال ہے جس نے مجھے قوم سے علیحدہ کر کے یہاں پہنچایا۔

اب یہ ایک متحد الخیال جماعت ایک دوسرے کی رفیق اور دوست ہو گئی اور انہوں نے الگ اپنی ایک عبادت گاہ بنالی، جس میں جمع ہو کر یہ لوگ اللہ وحدہٗ لا شریک لہ کی عبادت کرنے لگے۔

مگر شدہ شدہ ان کی خبر شہر میں پھیل گئی اور چغل خوروں نے بادشاہ تک ان کی خبر پہنچا دی، بادشاہ نے ان سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا، یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان کے عقیدے اور طریقے کے متعلق سوال کیا، اللہ نے ان کو ہمت بخشی، انہوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے اپنا عقیدۂ توحید بیان کر دیا، اور خود بادشاہ کو بھی اس کی طرف دعوت دی، اسی کا بیان قرآن کریم کی آیات میں اس طرح آیا ہے۔

وربطنا علی قلوبھم اذقاموا فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعوا من دونه الٰھا لقد قلنا اذا شططا (الی قوله) کذبا .

جب ان لوگوں نے بادشاہ کو بے باک ہو کر دعوت ایمان دی تو بادشاہ نے اس سے انکار کیا اوران کو ڈرایا دھمکایا اوران کے بدن سے وہ عمدہ پوشاک جوان شہزادوں کے بدن پر تھی اتروادی، تا کہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں غور کریں، اور غور کرنے کے لیے چند روز کی مہلت یہ کہہ کر دیدی کہ تم نوجوان ہو میں تمہارے قتل میں اس لیے جلدی نہیں کرتا کہ تم کو غور کرنے کا موقع مل جائے اب بھی اگر تم اپنی قوم کے دین و مذہب پر آجاتے ہو تو تم اپنے حال پر رہو گے ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اپنے مومن بندوں پر تھا کہ اس مہلت نے ان لوگوں کے لیے راہ فرار کھول دی اور یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر ایک غار میں روپوش ہو گئے۔

تین صدیوں تک اصحاب کہف کا بسلامت سوتے رہنا

تفسیر قرطبی میں اس کا مختصر قصہ اس طرح مذکور ہے کہ :

اصحاب کہف کے نکلنے کے وقت جو ظالم اور مشرک بادشاہ دقیانوس اس شہر پر مسلط تھا وہ مر گیا، اور اس پر صدیاں گذر گئیں، یہاں تک کہ اس مملکت پر قبضہ اہل حق کا ہو گیا جو توحید پر یقین رکھتے تھے ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا (جس کا نام تفسیر مظہری میں تاریخ روایات سے بیدوسیسی لکھا ہے) اس کے زمانے میں اتفاقاً قیامت اور اس میں سب مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلے میں کچھ اختلافات پھیل گئے، ایک فرقہ اس کا منکر ہو گیا کہ بدن گلنے سڑنے، پھر ریزہ ریزہ ہو کر ساری دنیا میں پھیل جانے کے بعد پھر زندہ ہو جائیں گے، بادشاہ وقت بیدوسیس کو اس کی فکر ہوئی کہ کس طرح ان کے شکوک وشبہات دور کیے جائیں، جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس نے

ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ سے دعاء کی اور الحاح وزاری شروع کی، کہ یا اللہ آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ صحیح ہوجائے اور یہ راہ پر آجائیں، ایک طرف یہ بادشاہ گریہ وزاری اور دعاء میں مصروف تھا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء کی قبولیت کا یہ سامان کردیا کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے اور انہوں نے ایک آدمی کو جس کا نام تمیلخا بتلایا جاتا ہے اس کو بازار میں بھیج دیا وہ کھانا خریدنے کے لیے دکان پر پہنچا اور تین سو برس پہلے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا سکہ کھانے کی قیمت میں پیش کیا تو دکاندار حیران رہ گیا کہ یہ سکہ کہاں سے آیا، کس زمانے کا ہے، بازار کے دوسرے دکان داروں کو دکھلایا سب نے یہ کہا کہ اس شخص کو کہیں پرانا خزانہ ہاتھ آگیا ہے، اس میں سے سکہ نکال کر لایا ہے، اس نے انکار کیا کہ نہ مجھے کوئی خزانہ ملا نہ کہیں سے لایا ہوں، یہ میرا اپنا روپیہ ہے۔

بازار والوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کردیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ایک نیک صالح اللہ والا تھا، اور اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثار قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہوجانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا، بعض کے نزدیک خود ظالم بادشاہ دقیانوس نے یہ تختی لکھوائی تھی کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں، ان کے نام اور پتے محفوظ رہیں، جہاں کہیں ملیں گرفتار کرلیے جائیں اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی دفتر میں بعض ایسے مومن بھی تھے جو دل سے بت پرستی کو برا سمجھتے اور اصحاب کہف کو حق پر سمجھتے تھے، مگر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے یہ تختی بطور یادگار کے لکھ لی تھی، اسی تختی کا نام رقیم ہے جس کی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب رقیم بھی کہا گیا۔

الغرض اس بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا اور اس وقت وہ اس دعاء میں مشغول تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کردینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بعید نہیں۔

اس لیے تملیخا سے اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے اور اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملادے جو دقیانوس کے زمانے میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے؟ بادشاہ اس پر مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی، اس میں لوگوں کے لیے شاید کوئی ایسی حجت ہو جس سے ان کو حشر اجساد کا یقین آجائے، یہ کہہ کر اس شخص سے کہا کہ مجھے اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو۔

بادشاہ بہت سے اہل شہر کے مجمع کے ساتھ غار پہنچا، جب غار قریب آیا تو تملیخا نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہریں میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت معاملہ سے باخبر کردوں کہ اب بادشاہ مسلمان موحد ہے اور قوم بھی مسلمان ہے، وہ ملنے کے لیے آئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اطلاع سے پہلے آپ پہنچیں تو وہ سمجھیں کہ ہمارا دشمن بادشاہ چڑھ آیا ہے، اس کے مطابق تملیخا نے پہلے جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے تو وہ لوگ اس سے بہت خوش ہوئے، بادشاہ کا استقبال تعظیم کے ساتھ کیا، پھر وہ اپنے غار کی طرف لوغ گئے، اور اکثر روایات میں ہے کہ جس وقت تملیخا نے ساتھیوں کو یہ سارا قصہ سنایا، اسی وقت سب کی وفات ہوگئی، بادشاہ سے ملاقات نہیں ہوسکی، بحر محیط میں ابوحیان نے اس جگہ یہ روایت نقل کی ہے کہ ملاقات کے بعد اہل غار نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے، اسی وقت

اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی۔

والله اعلم بحقيقة الحال.

حصولِ علم کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا سفر اور خضر علیہ السلام سے استفادۂ علم

اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس طرح آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں اپنے سے زیادہ علم والا کوئی تھا نہیں اس لیے) فرمایا ''میں سب سے زیادہ علم والا ہوں''۔ (اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بارگاہ انبیاء کو خاص تربیت دیتے ہیں اس لیے یہ بات پسند نہ آئی بلکہ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے، یعنی یہ کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ساری مخلوق میں اعلم کون ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین پر ہے، وہ آپ سے زیادہ اعلم ہے (موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جب وہ مجھ سے زیادہ اعلم ہیں تو مجھے ان سے استفادہ کے لیے سفر کرنا چاہیے اس لیے عرض کیا یا اللہ مجھے ان کا پتہ نشان بتلا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو، اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو، جس جگہ پہنچ کر یہ مچھلی گم ہو جائے بس وہی جگہ ہمارے اس بندے کے ملنے کی ہے، موسیٰ علیہ السلام

نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور چل دیئے، ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی تھے، دوران سفر ایک پتھر کے پاس پہنچ کر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے، یہاں اچانک یہ مچھلی حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی اور (مچھلی کے زندہ ہوکر دریا میں چلے جانے کے ساتھ ایک دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ) جس راستہ سے مچھلی دریا میں گئی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا جریان روک دیا اور اس جگہ پانی کے اندر ایک سرنگ جیسی ہوگئی، (یوشع بن نون مچھلی کا یہ عجیب معاملہ موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے اور اس جگہ سے پھر روانہ ہوگئے، پورے ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا، جب دوسرے روز کی صبح ہوگئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، کیونکہ اس سفر سے کافی تکان ہوچکی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا برضائے الٰہی موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے تکان بھی محسوس نہیں ہوا، یہاں تک کہ جس جگہ پہنچنا تھا اس سے آگے نکل آئے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یوشع بن نون کو مچھلی کا واقعہ یاد آیا اور اپنے بھول جانے کا عذر کیا کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا، کہ اس وقت آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ کی، اور پھر بتلایا کہ وہ مردہ مچھلی تو زندہ ہوکر دریا میں ایک عجیب طریقہ سے چلی گئی، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو ہمارا مقصد تھا (یعنی منزل مقصود وہی تھی جہاں مچھلی زندہ ہوکر گم ہوگئی)۔

چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہوگئے، اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے تاکہ وہ جگہ مل جائے، اب جو یہاں اس پتھر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اسی حال میں سلام کیا تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ اس (غیر آباد) جنگل میں سلام کہاں سے

آ گیا، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں، اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھلا دیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔

شرائطِ داخلہ

خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے، اے موسیٰ! میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے، وہ آپ کے پاس نہیں، اور ایک علم آپ کو دیا ہے جو میں نہیں جانتا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلنے ہی کو تیار ہیں تو کسی معاملہ کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلاؤں۔

کشتی کا تختہ نکالنا

یہ کہہ کر دونوں حضرات دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے، اتفاقاً ایک کشتی آ گئی تو کشتی والوں سے کشتی پر سوار ہونے کی بات چیت کی، ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سب لوگوں کو بغیر کسی کرایہ اور اجرت کے کشتی میں سوار کرلیا، کشتی میں سوار ہوتے ہی خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام (سے نہ رہا گیا) کہنے لگے کہ ان لوگوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ہمیں کشتی میں سوار کرلیا، آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا، کہ ان کی کشتی توڑ ڈالی کہ یہ سب غرق ہو جائیں، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں

نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا، اس بھول پر آپ سخت گیری نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض خضر علیہ السلام پر بھول سے ہوا تھا اور دوسرا بطور شرط کے اور تیسرا قصداً (اسی اثناء میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا، خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔

نوعمر بچے کا سر قلم

پھر کشتی سے اتر کر دریا کے ساحل پر چلنے لگے، اچانک خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا ہے، خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس لڑکے کا سر اسکے بدن سے الگ کر دیا، لڑکا مر گیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑا ہی گناہ کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ معاملہ پہلے معاملہ سے زیادہ سخت ہے، اس لیے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی بات پوچھی تو آپ مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دیجیے۔ آپ میری طرف سے عذر کی حد پر پہنچ چکے ہیں۔

بلا معاوضہ گرتی ہوئی دیوار کی مرمت

اس کے بعد پھر چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک گاؤں پر گذر ہوا، انہوں نے گاؤں والوں سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے یہاں مہمان رکھ لیجیے، انہوں نے انکار کردیا، اس بستی میں ان لوگوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ گرا چاہتی ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کھڑا کردیا، موسیٰ علیہ السلام نے تعجب سے کہا کہ ہم نے ان لوگوں سے مہمانی چاہی تو انہوں نے انکار کردیا، آپ نے اتنا بڑا کام کردیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت ان سے لے سکتے تھے، خضر علیہ السلام نے کہا: ھذا فراق بینی وبینک (یعنی اب شرط پوری ہوچکی، اس لیے ہماری اور آپ کی مفارقت کا وقت آ گیا)۔

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلائی اور ارشاد فرمایا:

امـا السفينة فكانـت لمساكين......الى......عليه صبراً (الكهف: ۷۹......تا ۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پورا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور کچھ صبر کرلیتے تو ان دونوں کی اور کچھ خبریں معلوم ہوجاتیں۔

دجال کا خروج اور اس کی علامات

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا، اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس

کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر و ذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت و دوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات)۔ آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا، اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں، (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا (تمہیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہے، (اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نوجوان سخت پیچدار بالوں والا ہے اس کی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے، (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے، جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزی بن قطن ہے (یہ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا) اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا

ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے، (اس سے دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا اے اللہ کے بندو! اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

زمین پر دجال کے قیام کی مدت

ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کس قدر مدت رہے گا، آپ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی،

دجال کے چلنے پھرنے کی رفتار

پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو۔

دجال کو خدا ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام

پس دجال کسی قوم کے پاس سے گذرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا، وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو برسنے لگیں گے اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائے گی، (اور ان کے مویشی اس میں چریں گے

)اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت بہت اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی، پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گذرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا، لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کر دیں گے، وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا،

زمین کے خزانے دجال کے تابع

ویران زمین کے پاس سے دجال کا گذر ہوگا، تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ، چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے ہولیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہو لیتی ہیں،

دجال کے ہاتھوں ایک مسلمان کی شہادت

پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا، جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا، اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کر دیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے والے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے، پھر اس کو بلائے گا، وہ (زندہ ہو کر) دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آ جائے گا۔

آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کی موت

دریں اثناء حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے، چنانچہ وہ دو رنگ دار چادریں پہنے ہوئے (دمشق کی مشرقی جانب کے سفید منارہ پر اس طرح نزول

فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسا کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جو سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرف صاف ہوں گے گریں گے، جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مرجائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا، جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپ اسے باب لُدّ پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے اور (بطور شفقت کے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے، اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

یاجوج وماجوج کا خروج اور کوہِ طور میں مسلمانون کی پناہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یاجوج ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گذریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائے گا تو ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لیے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے (حق تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے، اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا، (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی، (وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل دجائے گی، اور شیشہ کے مانند صاف ہو جائیگی۔

زمین پر برکات کا ظہور اور نفرتوں کا خاتمہ

پھر حق تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگادے اور (از سرِ نو) اپنی برکات کو ظاہر کردے، چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت

ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لیے کفایت کرے گا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہوجائے گا، اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوجائے گا' (یہ غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے، جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوجائے گی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے، اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے، جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

حضور ﷺ کی دعا اور اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق کی روایت اس طرح ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک روز تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ مل گئے، پوچھا کہاں کا ارادہ ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس گمراہ شخص کا کام تمام کرنے کے لیے جارہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا، ان کے دین میں مذہب کو برا کہا ان کو بیوقوف بنایا اور ان کے بتوں کو برا کہا: نُعیم نے کہا کہ عمر تمہیں تمہارے نفس نے دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردو گے اور ان کا قبیلہ بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دے گا کہ زمین پر چلتے پھرتے رہو۔ اگر تم میں عقل

ہے تو اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے تابع ہو چکے ہیں، عمر بن خطاب پر ان کی بات اثر کر گئی اور یہیں سے اپنی بہن بہنوئی کے مکان کی طرف پھر گئے۔ ان کے مکان میں حضرت خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قرآن کی سورت طٰہٰ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے جب محسوس کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے کسی کمرہ یا گوشہ میں چھپ گئے اور ہمشیرہ نے یہ صحیفہ اپنی ران کے نیچے چھپا لیا مگر عمر بن خطاب کے کانوں میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی اور ان کے کچھ پڑھنے کی آواز پہنچ چکی تھی اس لیے پوچھا کہ یہ پڑھنے پڑھانے کی آواز کیسی تھی جو میں نے سنی ہے؟ انہوں نے (اول بات کو ٹالنے کے لیے) کہا کہ کچھ نہیں، مگر اب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بات کھول دی کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع اور مسلمان ہو گئے ہو اور یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ دیکھا تو شوہر کو بچانے کے لیے کھڑی ہو گئیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی مار کر زخمی کر دیا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو بہن بہنوئی دونوں نے بیک زبان کہا کہ سن لو ہم بلاشبہ مسلمان ہو چکے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں اب جو تم کر سکتے ہو کر لو، ہمشیرہ کے زخم سے خون جاری تھا، اس کیفیت کو دیکھ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کچھ ندامت ہوئی اور بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ مجھے دکھلاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں تاکہ میں بھی دیکھوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تعلیم لائے ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اس لیے صحیفہ دیکھنے کے لیے مانگا۔ بہن نے کہا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ

ہم نے یہ صحیفہ اگر تمہیں دے دیا تو تم اس کو ضائع کر دو یا بے ادبی کرو۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم یہ خوف نہ کرو میں اس کو پڑھ کر تمہیں واپس کردوں گا۔ ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ رُخ دیکھا تو ان کو کچھ امید ہوگئی کہ شاید عمر بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس وقت کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ تم نجس ناپاک ہو اور اس صحیفہ کو پاک آدمی کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو غسل کرلو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کرلیا پھر یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا گیا تو اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کا شروع حصہ ہی پڑھ کر عمر نے کہا کہ یہ کلام تو بڑا اچھا اور نہایت محترم ہے۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو مکان میں چھپے ہوئے یہ سب کچھ سن رہے تھے عمر کے یہ الفاظ سنتے ہی سامنے آگئے اور کہا کہ اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجھے اللہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے رسول کی دعا کے لیے منتخب فرمالیا ہے کیونکہ گزشتہ کل میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ :

اَللّٰهُمَّ ايّد الاسلام بابى الحكم بن هشام او بعمر بن الخطّاب .

یا اللہ اسلام کی تائید وتقویت فرما ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے ذریعہ یا پھر عمر بن خطاب کے ذریعہ۔

مطلب یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی کمزور جماعت میں جان پڑ جائے۔ پھر خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ اب تو اس موقع کو غنیمت سمجھ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو (قرطبی) چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل واقعہ

حدیث الفتون کے نام سے طویل حدیث سنن نسائی کتاب التفسیر میں بروایت ابنِ عباسؓ نقل کی گئی ہے اور ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو پورا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت ابنِ عباس نے اس روایت کو مرفوع یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے اور ابنِ کثیر نے بھی حدیث کے مرفوع ہونے کی توثیق کے لیے فرمایا ہے کہ: وَصَدَقَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ ''یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا میرے نزدیک درست ہے پھر اس کے لیے ایک دلیل بھی بیان فرمائی۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں یہ روایت نقل کی ہے مگر وہ موقوف یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا کلام ہے، مرفوع حدیث کے جملے اس میں کہیں کہیں آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ روایت کعب احبارؒ سے لی ہے جیسا کہ بہت سے مواقع میں ایسا ہوا ہے مگر ابن کثیر جیسے ناقدِ حدیث اور نسائی جیسے امام حدیث اس کو مرفوع مانتے ہیں اور جنہوں نے مرفوع تسلیم نہیں کیا وہ بھی اس کے مضمون پر کوئی نکیر نہیں کرتے اور اکثر حصہ اس کا تو خود قرآن کریم کی آیات میں آیا ہوا ہے اس لیے پوری حدیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی قصے کے ضمن میں بہت سے علمی اور عملی فوائد بھی ہیں۔ حدیث الفتون بسند امام نسائیؒ قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن جبیرؒ نے خبر دی کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے یعنی

وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا میں نے دریافت کیا کہ اسمیں فتون سے کیا مراد ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا واقعہ بڑا طویل ہے صبح کو سویرے آجاؤ تو بتلا دینگے، جب اگلے دن صبح ہوئی تو میں سویرے ہی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوگیا تا کہ کل جو وعدہ فرمایا تھا اُس کو پورا کراؤں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سنو (ایک روز) فرعون اور اس کے ہمنشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے اُن کی ذرّیت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرمادیں گے۔ بعض شرکاء مجلس نے کہا کہ ہاں بنی اسرائیل تو اس کے منتظر ہیں جس میں اُن کو ذرا شک نہیں کہ اُن کے اندر کوئی نبی و رسول پیدا ہوگا اور پہلے ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں جب اُن کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا یہ اس کے مصداق نہیں (کوئی اور نبی و رسول پیدا ہوگا جو اس وعدہ کو پورا کرے گا)۔

بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے ہر بچہ کا قتل

فرعون نے یہ سنا تو (اُس کو فکر لاحق ہوگئی کہ اگر بنی اسرائیل میں جن کو اُس نے غلام بنا رکھا تھا کوئی نبی و رسول پیدا ہوگیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرائے گا) اس لیے حاضرینِ مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے یہ لوگ آپس میں مشورے کرتے رہے اور انجام کار سب کی رائے اس پر متفق ہوگئی کہ (بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا اس کو ذبح کر دیا جائے اس کے لیے) ایسے سپاہی مقرر کردیے گئے جن کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور وہ بنی اسرائیل کے ایک ایک گھر میں جا کر دیکھتے تھے جہاں کوئی لڑکا نظر آیا اس کو ذبح کر دیا۔

کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد ان کو یہ ہوش آیا کہ ہماری سب خدمتیں اور محنت مشقت کے کام تو بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں اگر یہ سلسلہ قتل کا جاری رہا تو اُن کے بوڑھے تو اپنی موت مرجائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری خدمتیں انجام دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے مشقت کے کام ہمیں خود ہی کرنا پڑیں گے اس لیے اب یہ رائے ہوئی کہ ایک سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والوں کو ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح بنی اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور اُن کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہیں ہوگی جس سے فرعونی حکومت کو خطرہ ہو سکے۔ یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا

پیدائش موسیٰ علیہ السلام پر ماں کا خوف اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ

اب حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل اس وقت ہوا جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا، اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے فرعونی قانون کی رُو سے اُن کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا اگلے سال جو لڑکوں کے قتل کا سال تھا اُس میں حضرت موسیٰ حمل میں آئے تو اُن کی والدہ پر رنج وغم طاری تھا کہ اب یہ بچہ پیدا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قصہ کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اے ابن جُبیر فُتون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دُنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُن کے قتل کا منصوبہ تیار تھا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان کی والدہ کو بذریعہ وحی الہام یہ تسلّی دیدی کہ

لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

کوئی خوف وغم نہ کرو (ہم اس کی حفاظت کریں گے اور کچھ دن جدا رہنے کے بعد) ہم ان کو تمہارے پاس واپس کردیں گے پھر ان کو اپنے رسولوں میں داخل کرلیں گے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے تو اُن کی والدہ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا (نیل) میں ڈالدو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس حکم کی تعمیل کردی۔ جب وہ تابوت کو دریا کے حوالہ کرچکیں تو شیطان نے اُن کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا اگر بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کردیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن دفن کر کے کچھ تو تسلی ہوتی اب تو اس کو دریا کے جانور کھائیں گے (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی رنج وغم میں مبتلا تھیں کہ) دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر ڈالدیا جہاں فرعون کی باندیاں لونڈیاں نہانے دھونے کے لیے جایا کرتی تھیں،

موسیٰ علیہ السلام کا تابوت فرعون کے محل میں

انہوں نے یہ تابوت دیکھا تو اُٹھالیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اگر اس میں کچھ مال ہوا اور ہم نے کھول لیا تو فرعون کی بیوی کو یہ گمان ہوگا کہ ہم نے اس میں سے کچھ الگ رکھ لیا ہے ہم کچھ بھی کہیں اس کو یقین نہیں آئے گا اس لیے سب کی رائے یہ ہوگئی کہ اس تابوت کو اس طرح بند اُٹھا کر فرعون کی بیوی کے سامنے پیش کردیا جائے۔

فرعون کی بیوی نے تابوت کھولا تو اس میں ایک ایسا لڑکا دیکھا جس کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں اُس سے اتنی محبت ہوگئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی تھی جو درحقیقت حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا ظہور تھا۔

(وَاَلقَيتُ عَلَيكَ مَحَبَّةً مِنّي)

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ شیطانی وسوسہ کے سبب اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہوگئی

(وَاَصبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوسىٰ فَارِغًا)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال سے خالی ہوگیا (صرف موسیٰ علیہ السلام کی فکر غالب آگئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والون کو فرعون کے گھر میں ایک لڑکا آنے کی خبر ملی تو وہ چھریاں لے کر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دو تا کہ ذبح کردیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جُبیرؒ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جُبیر فتون یعنی آزمائش کا (دوسرا) واقعہ یہ ہے :

فرعون کی بیوی نے ان لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھہرو کہ صرف اس ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائے گی، میں فرعون کے پاس جاتی ہوں اور اس بچے کی جان بخشی کراتی ہوں، اگر فرعون نے اس کو بخش دیا تو یہ بہتر ہوگا ورنہ تمہارے معاملے میں دخل نہ دُوں گی یہ بچہ تمہارے حوالہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہا کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو معلوم ہے مگر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کی قسم کھائی جاسکتی ہے اگر فرعون اس وقت بیوی کی طرح اپنے لیے بھی موسیٰ علیہ السلام کے قرۃ العین آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کرلیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت کردیتا جیسا کہ اُس کی بیوی کو ہدایت ایمان عطا فرمائی۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسری عورتوں کا دودھ پینے سے انکار

بہر حال بیوی کے کہنے سے فرعون نے اس لڑکے کو قتل سے آزاد کردیا اب فرعون کی بیوی نے اس کو دودھ پلانے کے لیے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بلایا سب نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دین مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کی چھاتی نہ لگتی

(وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ)

اب فرعون کی بیوی کو یہ فکر ہوگئی کہ جب کسی کا دودھ نہیں لیتے تو زندہ یہ کیسے رہیں گے اس لیے اپنی کنیزوں کے سپرد کیا کہ اس کو بازار اور لوگوں کے مجمع میں لیجائیں شاید کسی عورت کا دودھ یہ قبول کرلیں۔

دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہوکر اپنی بیٹی کو کہا کہ ذرا باہر جاکر تلاش کرو اور لوگوں سے دریافت کرو کہ اس تابوت اور بچہ کا کیا انجام ہوا، وہ زندہ ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا ہے اس وقت تک اُن کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا تھا جو حالتِ حمل میں اُن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور چند روزہ مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (قدرتِ حق کا یہ

کرشمہ دیکھا کہ) فرعون کی کنیزیں اس بچے کو لیے ہوئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں، جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ یہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ دیتی ہوں جہاں مجھے امید ہے کہ یہ اُن کا دودھ بھی لیں گے اور وہ اس کو خیر خواہی ومحبت کے ساتھ پالیں گے۔ یہ سن کر ان کنیزوں نے ان کو اس شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا کوئی عزیز خاص ہے جو وثوق کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اس کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں اس وقت یہ بہن بھی پریشان ہوگئی)۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس جگہ پہنچ کر پھر ابن جُبیر کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مراد اس گھر والوں کے ہمدرد خیر خواہ ہونے سے یہی تھی کہ فرعونی دربار تک اُن کی رسائی ہوگی اُس سے ان کو منافع پہنچنے کی اُمید ہوگی اس لیے وہ اس بچے کی محبت و ہمدردی میں کسر نہ کریں گے۔ یہ سُن کر کنیزوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہ واپس اپنے گھر پہنچی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو واقعہ کی خبر دی وہ ان کے ساتھ اُس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھیں، کنیزوں کے کہنے سے انہوں نے بھی بچے کو گود میں لے لیا، موسیٰ علی علیہ السلام فوراً اُن کی چھاتیوں سے لگ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ پیٹ بھر گیا۔ یہ خوش خبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لیے دودھ پلانے والی مل گئی۔ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلوایا۔ اُنہوں نے آکر حالات دیکھے اور یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری حاجت وضرورت محسوس کر رہی ہے تو ذرا خودداری سے کام لیا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ یہاں رہ کر اس بچے کو دودھ پلائیں کیونکہ مجھے

اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اس کو اپنی نظروں سے غائب نہیں رکھ سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی کیونکہ میری گود میں خود ایک بچہ ہے جس کو دودھ پلاتی ہوں، میں اس کو کیسے چھوڑوں۔ ہاں اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلاؤں اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ اس بچے کی خبر گیری اور حفاظت میں ذرا کوتاہی نہ کروں گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آ گیا جس میں فرمایا کہ چند روز کی جدائی کے بعد ہم ان کو تمہارے پاس واپس دے دیں گے اس لیے وہ اور اپنی بات پر جم گئیں۔ اہلیہ فرعون نے مجبور ہو کر ان کی بات مان لی اور یہ اُسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر آ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشو ونما خاص طریقے پر فرمایا۔

لڑکپن میں موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی داڑھی نوچنا

جب موسیٰ علیہ السلام ذرا قوی ہو گئے تو اہلیہ فرعون نے اُن کی والدہ سے کہا کہ یہ بچہ مجھے لا کر دکھلاؤ (کہ میں اس کے دیکھنے کے لیے بے چین ہوں) اور اہلیہ فرعون نے اپنے سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے گھر میں آ رہا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہ رہے جو اسکا اکرام نہ کرے اور کوئی ہدیہ اس کو پیش نہ کرے اور میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ گھر سے نکلے اس وقت سے ان پر تحفوں اور ہدایا کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ اہلیہ فرعون کے پاس پہنچے تو اُسنے اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدیئے الگ پیش کیے۔ اہلیہ فرعون ان کو دیکھ کر بے حد مسرور ہوئی اور یہ سب تحفے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیدیئے۔ اس کے بعد اہلیہ فرعون نے کہا کہ اب میں ان کو فرعون کے پاس لیجاتی ہوں وہ ان کو انعامات اور تحفے دیں گے جب ان کو لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دیا۔ اسوقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہوگا جو آپ کے ملک و مال کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آئے گا اور آپ کو پچھاڑ یگا، یہ وعدہ کس طرح پورا ہو رہا ہے۔ فرعون متنبہ ہوا اور اسی وقت لڑکوں کو قتل کرنے والے سپاہیوں کو بلا لیا تا کہ اس کو ذبح کر دیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیر کو خطاب کیا کہ یہ چوتھا واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے پھر موت سر پر منڈلانے لگی۔

چمکتے موتی اور دہکتے شعلہ میں موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش

اہلیہ فرعون نے یہ دیکھا تو کہا کہ آپ تو یہ بچہ مجھے دے چکے ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے فرعون نے کہا کہ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر مجھ پر غالب آجائے گا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ ایک بات کو اپنے اور میرے معاملہ کے فیصلہ کے لیے مان لیں جس سے حق بات ظاہر ہو جاوے گی (کہ بچے نے یہ معاملہ بچپن کی بے خبری میں کیا ہے یا دیدہ دانستہ کسی شوخی سے) آپ دو انگارے آگ کے اور دو موتی منگوا لیجئے اور دونوں کو ان کے سامنے کر دیجئے اگر یہ موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور آگ کے انگاروں سے بچیں تو آپ سمجھ لیں کہ اس کے افعال

عقل وشعور سے دیدہ ودانستہ ہیں اور اگر اس نے موتیوں کے بجائے انگارے ہاتھ میں اُٹھا لیے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل وشعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی عقل والا انسان آگ کو ہاتھ میں نہیں اُٹھا سکتا (فرعون نے اس آزمائش کو مان لیا) دو انگارے اور دو موتی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیے تو موسیٰ علیہ السلام نے انگارے اٹھا لے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے کہ جبرئیل امین نے اُن کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) فرعون نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً ان کے ہاتھ سے انگارے چھین لیے کہ اُن کا ہاتھ نہ جل جائے (اب تو اہلیہ فرعون کی بات بن گئی) اُسنے کہا کہ آپ نے واقعہ کی حقیقت کو دیکھ لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر یہ موت موسیٰ علیہ السلام سے ٹال دی کیونکہ قدرتِ خداوندی کو ان سے آگے کام لینا تھا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح فرعون کے شاہانہ اعزاز واکرام اور شاہانہ خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے)۔

موسیٰ علیہ السلام کے مکے سے ایک فرعونی کا قتل

اُن کے شاہی اکرام واعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم و جور اور تذلیل وتوہین کرنے کی ہمت نہ رہی جو اس سے پہلے آلِ فرعون کی طرف سے ہمیشہ بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام شہر کے کسی گوشہ میں چل رہے تھے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جن میں سے ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر امداد کے لیے پکارا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی آدمی کی جسارت پر بہت غصہ آیا کہ اس نے شاہی دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و

اکرام کو جانتے ہوئے اسرائیلی کو ان کے سامنے پکڑ رکھا ہے جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کا تعلق اسرائیلی لوگوں سے صرف رضاعت اور دودھ پینے کی وجہ سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کرادیا ہو کہ یہ اپنی دودھ پلانے والی عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسرائیلی ہیں۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر اس فرعونی کے ایک مکا رسید کیا جس کو وہ برداشت نہ کرسکا اور وہیں مرگیا مگر اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موسیٰ علیہ السلام اور ان دونوں لڑنے والوں کے سوا موجود نہیں تھا، فرعونی تو قتل ہوگیا اسرائیلی اپنا آدمی تھا اس سے اس کا اندیشہ نہ تھا کہ یہ مخبری کردے گا۔

اگلے روز اسرائیلی کی پھر لڑائی

اچانک یہ واقعہ پیش آیا کہ اگلے روز موسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے تو اُسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعونی شخص سے مقابلہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور پھر اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا مگر موسیٰ علیہ السلام کل کے واقعہ پر ہی نادم ہو رہے تھے اور اس وقت اسی اسرائیلی کو پھر لڑتے ہوئے دیکھ کر اس پر ناراض ہوئے (کہ خطا اسی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑالو آدمی ہے اور لڑتا ہی رہتا ہے) مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ فرعونی شخص کو اس پر حملہ کرنے سے روکیں لیکن اسرائیلی کو بھی بطور تنبیہ کے کہنے لگے تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے تو ہی ظالم ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ آج بھی اسی طرح غصے میں ہیں جیسے کل تھے تو اس کو موسیٰ علیہ السلام

کے ان الفاظ سے یہ شبہ ہو گیا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فورا بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو جیسے کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

راز افشاء اور موسیٰ علیہ السلام کی جان کو خطرہ

یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے مگر فرعونی شخص نے آلِ فرعون کے اُن لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر یہ خبر پہنچا دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر دربار فرعون تک فورا پہنچائی گئی۔ فرعون نے اپنے سپاہی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے بھیج دیئے۔ یہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اطمینان کے ساتھ شہر کی بڑی سڑک سے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ اس طرف ایک شخص کو موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے جو شہر کے کسی بعید حصہ میں رہتا تھا اس کی خبر لگ گئی کہ فرعونی سپاہی موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں بغرض قتل نکل چکے ہیں اس نے کسی گلی کوچے کے چھوٹے راستہ سے آگے پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔

یہاں پہنچ کر پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن جُبیر کو خطاب کیا کہ اے ابن جبیر یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پر آ چکی تھی اللہ نے اُس سے نجات کا سامان کر دیا۔

سفرِ مدین اور شعیب علیہ السلام سے ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سن کر فورا شہر سے نکل گئے اور مدین کی طرف رُخ پھر گیا۔

یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام نہ آیا تھا مصر سے نکل کھڑے ہوئے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا کہ :

عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ.

یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھا دیگا۔ جب شہر مدین کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اُس پر اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اور دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ان سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لیے ہم اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچا ہوا پانی مل جائے گا اس سے ہم اپنا کام نکالیں گی۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کی شرفت دیکھ کر خود ان کے لیے کنویں سے پانی نکالنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بخشی تھی بڑی جلدی اُن کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ یہ عورتیں اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی :

رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ.

یعنی اے میرے پروردگار میں محتاج ہوں اس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں (مطلب یہ تھا کہ کھانے کا اور ٹھکانہ کا کوئی انتظام ہو جائے) یہ لڑکیاں جب روزانہ کے وقت سے پہلے بکریوں کو سیراب کر کے گھر پہنچیں تو اُن کے والد کو تعجب ہوا اور فرمایا آج تو کوئی نئی بات ہے، لڑکیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پانی

کھینچنے اور پانی پلانے کا قصہ والد کو سنا دیا۔ والد نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ جس شخص نے یہ احسان کیا ہے اس کو یہاں بلا لاؤ، وہ بلا لائیں، والد نے موسیٰ علیہ السلام سے اُن کے حالات دریافت کیے اور فرمایا:

لَا تَخف نَجوتَ مِنَ القَومِ الظّٰلِمِينَ.

یعنی اب آپ خوف و ہراس اپنے دل سے نکال دیجئے، آپ ظالموں کے ہاتھ سے نجات پا چکے ہیں، ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اس کا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی شعیب علیہ السلام کے ہاں دس سال تک خدمت اور شادی

اب ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا :

يٰاَبَتِ استَاجِرهُ اِنَّ خَيرَ مَنِ استَاجَرتَ القَوِيُّ الاَمِين .

یعنی ابا جان، ان کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کے لیے بہترین آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔

والد کو اپنی لڑکی سے یہ بات سن کر غیرت سی آئی کہ میری لڑکی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی۔ اس لیے اس سے سوال کیا کہ تمہیں اُن کی قوت کا اندازہ کیسے ہوا اور ان کی امانت داری کس بات سے معلوم کی۔ لڑکی نے عرض کیا کہ ان کی قوت کا مشاہدہ تو اُن کے کنویں سے پانی کھینچنے کے وقت ہوا کہ سب چرواہوں سے پہلے انہوں نے اپنا کام کر لیا دوسرا کوئی ان کے برابر نہیں آسکا اور امانت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ جب میں ان کو بلانے کے لیے گئی اور اول نظر میں جب انہوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو فوراً اپنا سر نیچا کر لیا اور اس وقت تک سر نہیں اٹھایا

جب تک کہ میں نے ان کو آپ کا پیغام نہیں پہنچا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو مگر مجھے اپنے گھر کا راستہ پیچھے سے بتلاتی رہو اور یہ بات صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو امانت دار ہو۔ والد کو لڑکی کی اس دانشمندانہ بات سے مسرت ہوئی اور اس کی تصدیق فرمائی اور خود بھی ان کے بارے میں قوت و امانت کا یقین ہو گیا۔ اس وقت لڑکیوں کے والد نے (جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو یہ منظور ہے کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دوں جس کی شرط یہ ہوگی کہ آپ آٹھ سال تک ہمارے یہاں مزدوری کریں، اور اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو اپنے اختیار سے کر دیں بہتر ہوگا مگر ہم یہ پابندی آپ پر عائد نہیں کرتے تاکہ آپ پر زیادہ مشقت نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو منظور فرمالیا جس کی رو سے موسیٰ علیہ السلام پر صرف آٹھ سال کی خدمت معاہدہ کی رو سے لازم ہوگئی باقی دو سال کا وعدہ اختیاری رہا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے وہ وعدہ بھی پورا کرا کر دس سال پورے کرا دیئے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا، اس نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں میں سے کونسی میعاد پوری فرمائی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ اس وقت تک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث مجھے معلوم نہ تھی۔ اس کے بعد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملا اُن سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آٹھ سال کی میعاد پورا کرنا موسیٰؑ پر واجب تھا اس میں کچھ کمی کرنے کا تو احتمال ہی نہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کا اختیاری وعدہ بھی پورا ہی کرنا منظور تھا اس لیے دس سال کی

میعاد پوری کی۔اس کے بعد میں اس نصرانی عالم سے ملا اور اس کو یہ خبر دی تو اس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات دریافت کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں، میں نے کہا کہ بیشک وہ بہت بڑے عالم اور ہم سب سے افضل ہیں۔

دس برس کے بعد مدین سے مصر کے لئے واپسی اور راستے میں نبوت

دس سال کی میعادِ خدمت پوری کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لیکر شعیب علیہ السلام کے وطن مدین سے رخصت ہوئے، راستہ میں سخت سردی اندھیری رات، راستہ نامعلوم، بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اچانک کوہ طور پر آگ دیکھنے پھر وہاں جانے اور حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا و ید بیضاء اور اسکے ساتھ منصبِ نبوت و رسالت عطا ہونے کے بعد (جس کا پورا قصہ قرآن میں اوپر گزر چکا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فکر ہوئی کہ میں فرعونی دربار کا ایک مفرور ملزم قرار دیا گیا ہوں مجھ سے قبطی کا قصاص لینے کا حکم وہاں سے ہو چکا ہے اب اس کے پاس دعوتِ رسالت لیکر جانے کا حکم ہوا ہے، نیز اپنی زبان میں لکنت کا عذر بھی سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض پیش کی۔

نبوت کے بعد پہلی بار موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی فرعون کے دربار میں دعوت و تبلیغ کے لئے آمد

حق تعالیٰ نے ان کی فرمائش کے مطابق اُن کے بھائی حضرت ہارون کو شریکِ

رسالت بنا کر اُن کے پاس وحی بھیج دی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال کریں۔ اس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے۔ ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی دونوں بھائی (حسب الحکم) فرعون کو دعوتِ حق دینے کے لیے اُس کے دربار میں پہنچے کچھ وقت تک تو اُن کو دربار میں حاضری کا موقع نہیں دیا گیا۔ یہ دونوں دروازے پر ٹھہرے رہے پھر بہت سے پردوں میں گزر کر حاضری کی اجازت ملی اور دونوں نے فرعون سے کہا:

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ.

یعنی ہم دونون تیرے رب کی طرف سے قاصد اور پیغامبر ہیں۔

فرعون نے پوچھا فرعون نے پوچھا:

فَمَنْ رَبُّکُمَا.

(تو بتلاؤ تمہارا رب کون ہے)

موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے وہ بات کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کر دیا:

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی. (طٰهٰ: ۵۰)

اس پر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو اور ساتھ ہی قبطی مقتول کا واقعہ ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھہرایا (اور اپنے گھر میں اُن کی پرورش پانے کا احسان جتلایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا وہ جواب دیا جو قرآن میں مذکور ہے (یعنی مقتول کے معاملہ میں تو اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف کر کے ناواقفیت کا عذر ظاہر کیا اور گھر میں پرورش پر احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تم نے سارے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اُن پر طرح طرح کے ظلم کر رہے ہو اسی کے نتیجہ میں یہ

نیرنگِ تقدیر میں تمہارے گھر میں پہنچادیا گیا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہوگیا اس میں تمہارا کوئی احسان نہیں۔

فرعون کے سامنے دوعظیم الشان معجزے

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کر کے پوچھا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کردو۔ فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسولِ رب ہونے کی کوئی علامت ہے تو دکھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ عظیم الشان اژدہا کی شکل میں منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون خوفزدہ ہوکر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ مانگی کہ اس کو روک لیں۔ موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا یہ دوسرا معجزہ فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

فرعون نے ہیبت زدہ ہوکر اپنے درباریوں سے مشورہ کیا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ کیا ماجرا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے درباریوں نے متفقہ طور پر کہا (کچھ فکر کی بات نہیں) یہ دونوں جادوگر ہیں اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین دین و مذہب کو (جو اُن کی نظر میں فرعون کی پرستش کرنا تھا) یہ مٹانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں (اور کوئی فکر نہ کریں) کیونکہ آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں، آپ اُن کو بلالیجئے وہ اپنے جادو سے ان کے جادو پر غالب آجائیں گے۔

جادوگروں سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ

فرعون نے اپنی مملکت کے سب شہروں میں حکم دے دیا کہ جتنے آدمی جادوگری

میں ماہر ہوں وہ سب دربار میں حاضر کردیئے جاویں ملک بھر کے جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ جس جادوگر سے آپ ہمارا مقابلہ کرانا چاہتے ہیں وہ کیا عمل کرتا ہے، اس نے بتایا کہ وہ اپنی لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، جادوگروں نے بڑی بے فکری سے کہا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں، لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا دینے کے جادو کا تو جو کمال ہمیں حاصل ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، مگر یہ طے کردیجئے کہ اگر ہم اس پر غالب آئے تو ہمیں کیا ملے گا۔

فرعون نے کہا کہ تم غالب آئے تو تم میرے خاندان کا جزء اور مقربین خاص میں ہو جاؤ گے اور تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم چاہو گے۔

اب جادوگروں نے مقابلہ کا وقت اور جگہ موسیٰ علیہ السلام سے طے کر کے اپنی عید کے دن چاشت کا وقت مقرر کردیا۔ ابن جُبیرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ان کا یوم الزینہ (یعنی عید کا دن) جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اُس کے جادوگروں پر فتح عطا فرمائی وہ عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ جب سب لوگ ایک وسیع میدان میں مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تو فرعون کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے:

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ. (الشعراء: ۴۰)

یعنی ہمیں یہاں ضرور رہنا چاہیے تاکہ یہ ساحر یعنی موسیٰ و ہارون اگر غالب آجائیں تو ہم بھی ان پر ایمان لے آئیں، اُن کی یہ گفتگو ان حضرات کے ساتھ استہزاء و مذاق کے طور پر تھی (اُن کا یقین تھا کہ یہ ہمارے جادوگروں پر غالب نہیں آئیں گے)۔

میدانِ مقابلہ مکمل آراستہ ہوگیا تو جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا کہ پہلے آپ کچھ ڈالیں (یعنی اپنا سحر دکھلائیں) یا ہم پہلے ڈال کر ابتداء کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ تم ہی پہل کرو، اپنا جادو دکھلاؤ۔ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور کچھ رسیاں زمین پر یہ کہتے ہوئے ڈالدیں :

بِعِزَّةِ فِرعَونَ اِنَّا لَنَحن الغلبونَ .

یعنی فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب آئیں گے (یہ لاٹھیان اور رسّیاں دیکھنے میں سانپ بن کر چلنے لگیں) یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایک خوف طاری ہوا:

(فَاَوجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَةً موسیٰ)

یہ خوف طبعی بھی ہوسکتا ہے جو مقتضائے بشریت ہے، انبیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خوف اس بات کا ہو کہ اب اسلام کی دعوت جس کو میں لے آیا ہوں اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی عصا ڈالدو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈالی تو وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کا منہ کھلا ہوا تھا اس اژدھا نے اُن تمام سانپوں کو نگل لیا جو جادوگروں نے لاٹھیوں اور رسیوں کے بنائے تھے۔

جادوگروں کا قبولِ ایمان

فرعونی جادوگر جادو کے فن کے ماہر تھے یہ ماجرا دیکھ کر اُن کو یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا یہ اژدھا جادو سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لیے جادو گروں سے اسی وقت اعلان کردیا کہ ہم اللہ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پچھلے خیالات وعقائد سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ

تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کمر توڑ دی اور انہوں نے جو جال پھیلایا تھا وہ سب باطل ہوگیا :

(فَغُلِبُوْا هُنَالِکَ وَانقَلَبُوْا صَاغِرِیْنَ .

فرعون اور اس کے ساتھی مغلوب ہوگئے اور ذلت ورسوائی کیساتھ اس میدان سے پسپا ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام کی فتح وغلبہ کے لئے حضرت آسیہ کی آہ وزاری

جس وقت یہ مقابلہ ہورہا تھا فرعون کی بیوی آسیہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے دعاء مانگ رہی تھی اور آلِ فرعون کے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ فرعون کی وجہ سے پریشان حال ہیں اس کے لیے دعا مانگ رہی ہیں حالانکہ اُن کا غم وفکر سارا موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا (اور اُنہیں کے غالب آنے کی دعاء مانگ رہی تھیں۔

ایک کے بعد ایک معجزات کا تسلسل

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوئی معجزہ دکھاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر حجت تمام ہوجاتی تو اسی وقت وعدہ کرلیتا تھا کہ اب میں بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دوں گا مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے وہ عذاب کا خطرہ ٹل جاتا تو اپنے وعدہ سے پھر جاتا تھا) اور یہ کہہ دیتا تھا کہ کیا آپ کا رب کوئی اور بھی نشان دکھا سکتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر طوفان اور ٹڈی دَل اور کپڑوں میں جوئیں اور برتنوں اور کھانے میں مینڈکوں اور خون وغیرہ کے عذاب

مسلط کردیئے، جن کو قرآن میں آیات مفصلات کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے اور فرعون کا حال یہ تھا کہ جب اُن میں سے کوئی عذاب آتا اور اس سے عاجز ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ہٹادیجئے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے پھر جب عذاب ٹل جاتا تو پھر بدعہدی کرتا۔

رات کے وقت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے خروج

یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دے دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے نکل جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لیکر رات کے وقت شہر سے نکل گئے فرعون نے جب صبح کو دیکھا کہ یہ سب لوگ چلے گئے تو اپنی فوج تمام اطراف سے جمع کر کے اُن کے تعاقب میں چھوڑ دی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اُس دریا کو جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے راستہ میں تھا یہ حکم دیدیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر لاٹھی ماریں تو دریا میں بارہ راستے بن جانے چاہئیں۔ جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل الگ الگ گزر سکیں اور جب یہ گزر جائیں تو اُن کے تعاقب میں آنے والوں پر یہ دریا کے بارہ حصے پھر مل جائیں۔

عصا کی ضرب سے دریا میں بارہ راستے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے قریب پہنچے تو یہ یاد نہ رہا کہ لاٹھی مارنے سے دریا میں راستے پیدا ہوں گے اور اُن کی قوم نے اُن سے فریاد کی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ . یعنی ہم تو پکڑ لیے گئے (کیونکہ پیچھے سے فرعونی فوجوں کو آتا دیکھ رہے تھے اور آگے یہ

دریا حائل تھا) اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ یاد آیا کہ دریا پر لاٹھی مارنے سے اس میں رستے پیدا ہو جائیں گے اور فوراً دریا پر اپنی لاٹھی ماری یہ وہ وقت تھا کہ بنی اسرائیل کے پچھلے حصوں سے فرعونی افواج کے اگلے حصے تقریباً مل چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے دریا کے الگ الگ ٹکڑے ہو کر وعدہ ربانی کے مطابق بارہ راستے بن گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل ان راستوں سے گذر گئے۔ فرعونی افواج جو اُن کے تعاقب میں تھی انہوں نے دریا میں راستے دیکھ کر اُن کے تعاقب میں اپنے گھوڑے اور پیادے ڈال دیئے تو دریا کے یہ مختلف ٹکڑے بامرِ ربانی پھر آپس میں مل گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو ان کے اصحاب نے کہا کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ فرعون ان کے ساتھ غرق نہ ہوا ہو اور اس نے اپنے آپ کو بچالیا ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی کہ فرعون کی ہلاکت ہم پر ظاہر کر دے قدرتِ حق نے فرعون کی مردہ لاش کو دریا سے باہر پھینک دیا اور سب نے اس کی ہلاکت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔

گوسالہ پرستی

اس کے بعد یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آگے چلے تو راستہ میں ان کا گذر ایک قوم پر ہوا جو اپنے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت اور پرستش کر رہے تھے۔ تو یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

(یٰمُوسیٰ اجعَل لَّنَآ اِلٰھاً کَمَا لَھُمْ اٰلِھة قَالَ اِنَّکُمْ قَوم تَجھَلُوْنَ اِنَّ ھٰٓؤُ لآءِ مُتَبَّرٌ مَا ھُمْ فِیْہِ).

یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسا انہوں نے بہت

سے معبود بنا رکھے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم عجیب قوم ہو کہ ایسی جہالت کی باتیں کرتے ہو، یہ لوگ جو بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں ان کی عبادت برباد ہونے والی ہے) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) کہ تم اپنے پروردگار کے اتنے معجزات اور اپنے اوپر انعامات دیکھ چکے ہو پھر بھی تمہارے یہ جاہلانہ خیالات نہیں بدلے۔ یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے اُن ساتھیوں کے یہاں سے آگے بڑھے اور ایک مقام پر جا کر اُن کو ٹھہرا دیا اور فرمایا تم سب یہاں ٹھہرو، میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں، تیس دن کے بعد واپس آ جاؤنگا اور میرے پیچھے ہارون علیہ السلام میرے نائب وخلیفہ رہیں گے ہر کام میں اُن کی اطاعت کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام ان سے رُخصت ہو کر کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور (اشارہَ ربانی سے) تیس دن رات کا مسلسل روزہ سے جو ایک قسم کی بو روزہ دار کے منہ میں ہو جاتی ہے یہ فکر ہوئی کہ اس بو کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی نامناسب ہے تو پہاڑی گھاس کے ذریعہ مسواک کر کے منہ صاف کر لیا۔ جب بارگاہِ حق میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم نے افطار کیوں کر لیا (اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کھایا پیا نہیں بلکہ صرف منہ صاف کر لینے کو پیغمبرانہ امتیاز کی بنا پر افطار کرنے سے تعبیر فرمایا) موسیٰ علیہ السلام نے اس حقیقت کو سمجھ کر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ سے ہمکلام ہونے کے لیے منہ کی بو دور کر کے صاف کرلوں۔ حکم ہوا کہ موسیٰ کیا تمہیں خبر نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو ہمارے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے، اب آپ لوٹ جائیے اور دس دن مزید روزے رکھئے پھر ہمارے پاس آئیے موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔

ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے دیکھا کہ مقررہ مدت تیس روز گزر گئے اور موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئے تو اُن کو یہ بات ناگوار ہوئی، ادھر حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہونے کے بعد اپنی قوم میں ایک خطبہ دیا کہ قوم فرعون کے لوگوں کی بہت سی چیزیں جو تم نے عاریۃً مانگ رکھی تھیں یا اُنہوں نے تمہارے پاس ودیعت (امانت) رکھوا رکھی تھیں وہ سب تم اپنے ساتھ لے آئے ہو اگر چہ تمہاری بھی بہت سی چیزیں قوم فرعون کے پاس عاریت اور ودیعت کی تھیں اور آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اُن کی یہ چیزیں ہماری چیزوں کے معاوضہ میں ہم نے رکھ لی ہیں مگر میں اس کو حلال نہیں سمجھتا کہ اُن کی عاریت اور ودیعت کا سامان تم اپنے استعمال میں لاؤ اور ہم اس کو واپس بھی نہیں کر سکتے اس لیے ایک گڑھا کھدوا کر سب کو حکم دیا کہ یہ چیزیں خواہ زیورات ہوں یا دوسری استعمال کی اشیاء سب اس گڑھے میں ڈالدو (ان لوگوں نے اس کی تعمیل کی) ہارون علیہ السلام نے اس سارے سامان کے اوپر آگ جلوادی جس سے یہ سب سامان جل گیا اور فرمایا کہ اب یہ نہ ہمارا رہا نہ اُن کا۔

ان کے ساتھ ایک شخص سامری ایک ایسی قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کیا کرتے تھے یہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھا مگر جب حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی اُن کے ساتھ ہولیا، اس کو یہ عجیب اتفاق پیش آیا کہ اس نے جبرئیل علیہ السلام کا ایک اثر دیکھا یعنی جہاں اُن کا قدم پڑتا ہے اس میں زندگی اور نمو پیدا ہو جاتی ہے اس نے اُس جگہ سے ایک مٹھی مٹی کو اٹھالیا، اس کو ہاتھ میں لیے ہوئے آ رہا تھا کہ ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ہارون علیہ السلام نے خیال کیا کہ اس کی مٹھی میں کوئی فرعونی زیور وغیرہ ہے اس سے کہا کہ جس طرح سب نے اس گڑھے میں ڈالا ہے تم بھی ڈالدو، اس نے کہا یہ تو

اُس رسول (جبرئیل) کے نشانِ قدم کی مٹی ہے جس نے تمہیں دریا سے پار کرایا ہے اور میں اس کو کسی طرح نہ ڈالوں گا بجز اس کے کہ آپ یہ دعاء کریں کہ میں جس مقصد کے لیے ڈالوں وہ مقصد پورا ہو جائے، ہارون علیہ السلام نے دعا کا وعدہ کرلیا اس نے وہ مٹھی مٹی کی اس گڑھے میں ڈالدی اور حسب وعدہ ہارون علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ جو کچھ سامری چاہتا ہے وہ پورا کر دیجئے۔ جب وہ دعا کر چکے تو سامری نے کہا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سونا، چاندی، لوہا، پیتل جو کچھ اس گڑھے میں ڈالا گیا ہے ایک گائے کا بچھڑا بن جائے۔ ہارون علیہ السلام دُعاء کر چکے تھے اور وہ قبول ہو چکی تھی جو کچھ زیورات اور تانبا پیتل لوہا اس میں ڈالا گیا تھا سب کا ایک بچھڑا بن گیا جس میں کوئی روح تو نہ تھی مگر گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ واللہ وہ کوئی زندہ آواز نہیں تھی بلکہ ہوا اس کے پچھلے حصہ سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تھی اُس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔

یہ عجیب و غریب قصہ دیکھ کر بنی اسرائیل کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے، ایک فرقہ نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا یہی تمہارا خدا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسری طرف چلے گئے۔ ایک فرقہ نے یہ کہا کہ ہم سامری کی اس بات کی اس وقت تک تکذیب نہیں کر سکتے جب تک موسیٰ علیہ السلام حقیقتِ حال بتلائیں اگر واقع میں یہی ہمارا خدا ہے تو ہم اس کی مخالفت کر کے گناہگار نہیں ہوں گے اور یہ خدا نہیں تو ہم موسیٰ علیہ السلام کے قول کی پیروی کریں گے۔

ایک اور فرقہ نے کہا کہ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے یہ ہمارا رب نہیں ہو سکتا نہ ہم اس پر ایمان لا سکتے ہیں نہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ایک اور فرقہ کے دل میں

سامری کی بات اُتر گئی اور اس نے سامری کی تصدیق کر کے اس کو اپنا خدا مان لیا۔

ہارون علیہ السلام نے یہ فسادِ عظیم دیکھا تو فرمایا:

یا قَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ

یعنی اے میری قوم تم فتنہ میں پڑ گئے ہو بلاشبہ تمہارا رب اور خدا تو رحمٰن ہے تم میرا اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ انہوں نے کہا کہ یہ بتلائیے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو کیا ہوا کہ ہم سے تیس دن کا وعدہ کر کے گئے تھے اور وعدہ خلافی کی یہاں تک کہ اب چالیس دن پورے ہو رہے ہیں۔ ان کے کچھ بے وقوفوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو بھول گئے اس کی تلاش میں پھرتے ہوں گے۔

اس طرف جب چالیس روزے پورے کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہم کلامی نصیب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس فتنہ کی خبر دی جس میں اُن کی قوم مبتلا ہو گئی تھی:

فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا.

موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بڑے غصے میں اور افسوس کی حالت میں واپس آئے اور آ کر وہ باتیں فرمائیں جو قرآن میں تم نے پڑھی ہیں۔

وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗٓ اِلَیْهِ .

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس غصے میں اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچے اور الواحِ تورات جو کہ کوہ طور سے ساتھ لائے تھے ہاتھ میں سے رکھ دیں پھر غصہ فرو ہونے کے بعد بھائی کا عذر صحیح معلوم کر کے اس کو قبول کیا اور اُن کے لیے اللہ سے استغفار کیا، پھر سامری کے پاس گئے اور اُس سے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی، اُس نے جواب دیا:

قبضتہ قَبْضَۃً مِن اَثَرِ الرسولِ .

یعنی میں نے رسول (جبرئیل) کے نشانِ قدم کی مٹی اٹھالی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا (کہ یہ جس چیز پر ڈالی جائے گی اس میں حیات کے آثار پیدا ہو جائیں گے) مگر میں نے تم لوگوں سے اس بات کو چھپائے رکھا۔

فَنَبَذْتُھَا وَکَذٰلِکَ سَوَّلَت لِیْ نَفْسِیْ.

یعنی میں نے اس مٹی کو (زیورات وغیرہ کے ڈھیر پر ڈال دیا) میرے نفس نے میرے لیے یہ کام پسندیدہ شکل میں دکھلایا۔

قَالَ فَاذھَبْ فَاِنَّ لَکَ فِیْ الحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لاَ مِسَاسَ وَاِنَّ لَکَ مَوْعِداً لَّنْ تُخْلَفَہٗ وَانْظُرْ اِلیٰٓ اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا لَنُحَرِّ قَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِیْ الْیَمِّ نَسْفًا.

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا کہ جا اب تیری سزا یہ ہے کہ تو زندگی بھر یہ کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی مس نہ کرے (ورنہ وہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا) اور تیرے لیے ایک میعاد مقرر ہے جس کے خلاف نہیں ہوگا کہ زندگی میں تو یہ عذاب چکھتا رہے) اور دیکھ اپنے اُس معبود کو جس کی تو نے پرستش کی ہے ہم اس کو آگ میں جلائیں گے پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیں گے، اگر یہ خدا ہوتا تو ہم کو اس عمل پر قدرت نہ ہوتی۔

اس وقت بنی اسرائیل کو یقین آ گیا کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور سب کو اس جماعت پر غبطہ اور رشک ہونے لگا، جس کی رائے حضرت ہارون کے مطابق تھی (یعنی یہ ہمارا خدا نہیں ہوسکتا) بنی اسرائیل کو اپنے اس گناہِ عظیم پر تنبہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام سے

کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لیے توبہ کا دروازہ کھول دے جس سے ہمارے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

بچھڑے کے پجاریوں کی قبولیتِ توبہ بصورت قتل

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کام کے لیے بنی اسرائیل میں سے ستر ایسے صلحاء نیک لوگوں کا انتخاب کیا جو پوری قوم میں نیکی اور صلاح میں ممتاز تھے اور جواُن کے علم میں گوسالہ پرستی سے بھی دور رہے تھے اس انتخاب میں بڑی چھان بین سے کام لیا۔ ان ستر منتخب صلحاء بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر کوہِ طور کی طرف چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں عرض کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچے تو زمین میں زلزلہ آیا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو بڑی شرمندگی اس وفد کے سامنے ہوئی اور قوم کے سامنے بھی۔ اس لیے عرض کیا:

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا.

یعنی اے میرے پروردگار اگر آپ ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتے تھے تو اس وفد میں آنے سے پہلے ہلاک کردیتے اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کردیتے، کیا آپ ہم سب کو اس لیے ہلاک کرتے ہیں کہ ہم میں کچھ بیوقوفوں نے گناہ کیا ہے اور دراصل وجہ اس زلزلہ کی یہ تھی کہ اس وفد میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش کے باوجود کچھ لوگ انہیں میں سے شامل ہو گئے تھے جو پہلے گوسالہ پرستی کر چکے تھے اور ان کے دِلوں میں گوسالہ کی عظمت بیٹھی ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعاء وفریاد کے جواب میں ارشاد ہوا:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ.

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت تو سب کو شامل ہے اور میں عنقریب لکھ دوں گا اپنی رحمت (کا پروانہ) اُن لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اتباع کرتے ہیں اس رسولِ اُمّی کا جس کا ذکر لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار میں نے آپ سے اپنی قوم کی توبہ کے بارے میں عرض کیا تھا، آپ نے جواب میں رحمت کا عطا فرمانا میری قوم کے علاوہ دوسری قوم کے متعلق ارشاد فرمایا، تو پھر آپ نے میری پیدائش کو مؤخر کیوں نہ کر دیا کہ مجھے بھی اُس نبی اُمّی کی اُمتِ مرحومہ کے اندر پیدا فرما دیتے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا ایک طریقہ ارشاد ہوا کہ ان کی توبہ قبول ہونے کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے متعلقین میں سے باپ یا بیٹے جس سے ملے اس کو تلوار سے قتل کر دے اُسی جگہ میں جہاں یہ گوسالہ پرستی کا گناہ کیا تھا۔

اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے وہ ساتھی جن کا حال موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا اور ان کو بے قصور صالح سمجھ کر ساتھ لیا تھا مگر درحقیقت اُن کے دل میں گوسالہ پرستی کا جذبہ

اب تک تھا وہ بھی اپنے دل میں نادم ہو کر تائب ہو گئے اور انہوں نے اس شدید حکم پر عمل کیا جوان کی توبہ قبول کرنے کے لیے بطور کفارہ نافذ کیا تھا (یعنی اپنے عزیز و اقارب کا قتل) اور جب اُنہوں نے یہ عمل کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کی خطا معاف فرمادی۔

قومِ جبارین سے حکم جہاد اور بنی اسرائیل کا انکار

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی الواح جن کو غصہ میں ہاتھ سے رکھ دیا تھا اُٹھا کر اپنی قوم کو لے کر ارضِ مقدسہ (شام) کی طرف چل دیئے وہاں ایک ایسے شہر پر پہنچے جس پر جبارین کا قبضہ تھا جن کی شکل وصورت اور قد وقامت بھی ہیبت ناک تھی اُن کے ظلم و جور اور قوت وشوکت کے عجیب وغریب قصے ان سے کہے گئے (موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر بنی اسرائیل پر ان جبارین کے حالات سن کر رُعب چھا گیا اور) کہنے لگے اے موسیٰ اس شہر میں تو بڑے جبار ظالم لوگ ہیں جن کے مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم تو اس شہر میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ جبارین وہاں موجود ہیں، ہاں وہ یہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم اُس شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔

قَالَ رَجُلان من الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ .

اس روایت کے راویوں میں جو یزید بن ہارون ہے اس سے پوچھا گیا کہ کیا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی قرات اسی طرح کی ہے، یزید بن ہارون نے کہا کہ ہاں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات یوں ہی ہے :

رَجُلانِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُونَ.

سے مراد قوم جبارین کے دو آدمی ہیں جو اس شہر سے آ کر حضرت موسیٰ علی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، انہوں نے بنی اسرائیل پر اپنی قوم کا رعب طاری دیکھ کر کہا کہ ہم اپنی قوم کے حالات سے خوب واقف ہیں تم اُن کے ڈیل ڈول اور ان کی جسامت اور اُن کی بڑی تعداد سے ڈر رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ اُن میں دل (کی قوت) بالکل نہیں اور نہ مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تم ذرا شہر کے دروازے تک چلے چلو تو دیکھ لینا کہ (وہ ہتھیار ڈال دیں گے) اور تم ہی اُن پر غالب آ ؤ گے۔

اور بعض لوگوں نے رَجُلٰنِ من الذین یخافون. کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ دو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی قوم بنی اسرائیل کے تھے۔

قَالُوا یٰمُوسیٰٓ اِنَّا لَن نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ.

یعنی بنی اسرائیل نے ان دونوں آدمیوں کی نصیحت سننے کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام کو کورا جواب اس بیہودگی کے ساتھ دیا کہ اے موسیٰ ہم تو اس شہر میں اس وقت تک ہرگز نہ جائیں گے جب تک جبارین وہاں موجود ہیں اگر آپ ان کا مقابلہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

وادیٔ تیہ میں چالیس برس اور خدائی انعامات

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے بیشمار انعامات کے ساتھ ہر قدم پر اُن کی سرکشی اور بیہودگی کا مشاہدہ کرتے آ رہے تھے مگر اس وقت تک

صبر وتحمل سے کام لیتے رہے، کبھی اُن کے لیے بد دعا نہیں کی اس وقت ان کے اس بیہودہ جواب سے وہ بہت دل شکستہ اور غمگین ہو گئے اور اُن کے لیے بد دعا کی، ان کے حق میں فاسقین کے الفاظ استعمال فرمائے۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمالی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بھی فاسقین کا نام دے دیا اور اس زمین مقدس سے ان لوگوں کو چالیس سال کے لیے محروم کر دیا اور اس کھلے میدان میں اُن کو ایسا قید کر دیا کہ صبح سے شام تک چلتے رہتے تھے کہیں قرار نہ تھا۔ مگر چونکہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے ان کی برکت اور طفیل سے اس قوم فاسقین پر اس سزا کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں برستی رہیں کہ اس میدان تیہ میں یہ جس طرف چلتے تھے بادل ان کے سروں پر سایہ کر دیتا تھا، اُن کے کھانے کے لیے من وسلویٰ نازل ہوتے تھے، ان کے کپڑے معجزانہ انداز سے نہ میلے ہوتے تھے نہ پھٹتے تھے اور ان کو ایک مربع پتھر عطا فرما دیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دے دیا تھا کہ جب ان کو پانی کی ضرورت ہو تو اس پتھر پر اپنی لاٹھی مارو تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے، پھر کی ہر جانب سے تین چشمے بہنے لگتے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں یہ چشمے متعین کر کے تقسیم کر دیئے جاتے تھے تا کہ باہم جھگڑا نہ پیدا ہو اور جب بھی یہ لوگ کسی مقام سے سفر کرتے اور پھر کہیں جا کر منزل کرتے تو اس پتھر کو وہیں موجود پاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث کو مرفوع کر کے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد قرار دیا ہے اور میرے نزدیک یہ درست ہے کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا تو اس بات

کو منکر اور غلط قرار دیا جو اس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس قبطی کو قتل کیا تھا اور اس کا سراغ قوم فرعون کو نہیں مل رہا تھا تو اس کی مخبری اس دوسرے فرعونی شخص نے کی جس سے دوسرے روز یہ اسرائیلی لڑ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ فرعونی کو تو کل کے واقعہ قتل کا علم نہیں تھا وہ اس کی مخبری کیسے کرسکتا تھا اس کی خبر تو صرف اسی لڑنے والے اسرائیلی کو معلوم تھی۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی حدیث کے اس واقعہ کا انکار کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو غصہ آیا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر سعد بن مالک زہری رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور اُن سے کہا کہ اے ابواسحاق کیا تمہیں یاد ہے جب ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتیل موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث بیان فرمائی، اس راز کا افشاء کرنے والا اور فرعون کے پاس مخبری کرنے والا اسرائیلی تھا یا فرعونی۔ سعد بن مالک نے فرمایا کہ فرعونی تھا کیونکہ اس نے اسرائیلی سے یہ سن لیا تھا کہ کل کا واقعہ قتل موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا اس نے اس کی شہادت فرعون کے پاس دے دی، امام نسائی نے یہ پوری طویل حدیث اپنی کتاب سنن کبریٰ کی کتاب التفسیر میں نقل فرمائی ہے۔

اور اس پوری حدیث کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اسی یزید بن ہارون کی سند سے نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا کلام ہے جس کو انہوں نے کعب بن احبار کی ان اسرائیلی روایات سے لیا ہے جن کے نقل کرنے اور بیان کرنے کو جائز رکھا گیا ہے۔ ہاں کہیں کہیں اس کلام میں مرفوع حدیث کے جملے بھی شامل ہیں۔ امام ابن کثیر اپنی

تفسیر میں اس پوری حدیث اور اس پر مذکور الصدر تحقیق و تصدیق لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو الحجاج مزی بھی ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی طرح اس روایت کو موقوف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کلام قرار دیتے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور ان کا فقید المثال صبر و استقامت

حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں ان میں سے جن کو حضرات محدثین نے تاریخی درجہ میں قابلِ اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض پیش آیا جس پر وہ صبر کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس سے نجات ملی اور یہ کہ اس بیماری کے زمانے میں ان کی اولاد اور احباب سب غائب ہو گئے خواہ موت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے، پھر حق تعالیٰ نے ان کو صحت و عافیت دی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دے دی بلکہ اتنی ہی اور بھی زیادہ دیدی، باقی قصے کے اجزاء بعض تو مستند احادیث میں موجود ہیں اور زیادہ تر تاریخی روایات ہیں حافظ ابن کثیر نے اس قصے کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ:

ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتدا میں مال و دولت اور جائداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور حشم و خدم بہت کچھ عطا فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئیں اور بدن میں

بھی ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے کہ بدن کا کوئی بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا وہ اس حالت میں زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی وجہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے اُن کو الگ کر کے آبادی سے باہر ایک کوڑا کچرہ ڈالنے کی جگہ پر ڈال دیا۔ کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا صرف ان کی بیوی ان کی خبر گیری کرتی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھی جس کا نام لیا بنت میشا یوسف علیہ السلام بتلایا جاتا ہے۔

مال وجائداد تو سب ختم ہو چکا تھا ان کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لیے رزق اور ضروریات فراہم کرتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا یہ ابتلاء وامتحان کوئی حیرت وتعجب کی چیز نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اشدّ النّاس بلاء الانبیاء ثمّ الصّالحون ثمّ الامثل فالامثل .

یعنی سب سے زیادہ سخت بلائیں اور آزمائشیں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں ان کے بعد دوسرے صالحین کو درجہ بدرجہ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر انسان کا ابتلاء اور آزمائش اس کی دینی صلابت اور مضبوطی کے اندازے پر ہوتا ہے جو دین میں جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اتنی اس کی آزمائش وابتلاء زیادہ ہوتی ہے (تا کہ اسی مقدار سے اس کے درجات اللہ کے نزدیک بلند ہوں) حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے زمرۂ انبیاء علیہم السلام میں دینی صلابت اور صبر کا ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا (جیسے داؤد علیہ السلام کو شکر کا ایسا ہی امتیاز دیا گیا تھا) مصائب وشدائد پر صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام ضرب المثل ہیں۔ یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو مال واولاد وغیرہ سب دنیا کی نعمتوں سے خالی کر کے آزمائش فرمائی تو انہوں

نے فارغ ہو کر اللہ کی یاد اور عبادت میں اور زیادہ محنت شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے مال جائداد اور دولتِ دنیا اور اولاد عطا فرمائی جس کی محبت میرے دل کے ایک ایک جز پر چھا گئی پھر اس پر بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے ان سب چیزوں سے فارغ اور خالی کر دیا اور اب میرے اور آپ کے درمیان حائل ہونے والی کوئی چیز باقی نہ رہی۔

حافظ ابن کثیر یہ مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے اس قصہ میں بڑی طویل روایات منقول ہیں جن میں غرابت پائی جاتی ہے اور طویل ہیں اس لیے ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اس شدید بلاء میں کہ سب مال و جائداد اور دولتِ دنیا سے الگ ہو کر ایسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ لوگ پاس آتے ہوئے گھبرائیں، بستی سے باہر ایک کوڑے کچرے کی جگہ پر سات سال چند ماہ پڑے رہے کبھی جزع و فزع یا شکایت کا کوئی کلمہ زبان پر نہیں آیا، نیک بی بی لیا زوجہ محترمہ نے عرض بھی کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو فرمایا کہ میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت و دولت میں گزارے ہیں کیا اس کے مقابلے میں سات سال بھی مصیبت کے گذرنے مشکل ہیں۔

پیغمبرانہ عزم وضبط اور صبر وثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں صبر کیخلاف نہ ہو جائے (حالانکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اور اپنی احتیاج و تکلیف پیش کرنا بے صبری میں داخل نہیں) بالآخر کوئی ایسا سبب پیش آیا جس نے ان کو دعا کرنے پر مجبور کر دیا اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے یہ دعا ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق

تعالیٰ نے ان کے کمالِ صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرمادی ہے فرمایا:

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا .اس سبب کے بیان میں روایات بہت مختلف اور طویل ہیں اس لیے ان کو چھوڑا جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ زمین پر ایڑ لگایئے یہاں سے صاف پانی کا چشمہ پھوٹے گا اس سے غسل کیجئے اور اس کا پانی پیجئے تو یہ سارا روگ چلا جائے گا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کے مطابق کیا تمام بدن جو زخموں سے چور تھا اور بجز ہڈیوں کے کچھ نہ رہا تھا اس چشمہ کے پانی سے غسل کرتے ہی سارا بدن کھال اور بال یکا یک اپنی اصل حالت پر آگئے تو) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے الگ جنت کا ایک لباس بھیج دیا وہ زیب تن فرمایا اور اس کوڑے کچرے سے الگ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔

زوجہ محترمہ حسب عادت ان کی خبر گیری کے لیے آئیں تو ان کو اپنی جگہ پر نہ پا کر رونے لگیں۔ ایوب علیہ السلام جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو نہیں پہچانا کہ حالت بدل چکی تھی، انہیں سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ بیمار مبتلا جو یہاں پڑا رہتا تھا کہاں چلا گیا، کیا کتوں یا بھیڑیوں نے اُسے کھالیا؟ اور کچھ دیر تک اس معاملے میں اُن سے گفتگو کرتی رہیں۔ یہ سب سن کر ایوب علیہ السلام نے ان کو بتلایا کہ میں ہی ایوب ہوں مگر زوجہ محترمہ نے اب تک بھی نہیں پہچانا۔ کہنے لگی اللہ کے بندے کیا آپ میرے ساتھ تمسخر کرتے ہیں تو ایوب علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ غور کرو میں ہی ایوب ہوں اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور میرا بدن از سر نو درست فرمادیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

ان کا مال و دولت بھی ان کو واپس دے دیا اور اولاد بھی، اور اولاد کی تعداد کے برابر مزید اولاد بھی دیدی۔ (ابن کثیر)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات لڑکے سات لڑکیاں تھیں اس ابتلاء کے زمانے میں یہ سب مر گئے تھے جب اللہ نے ان کو عافیت دی تو ان کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی اہلیہ سے نئی اولاد بھی اتنی ہی اور پیدا ہوگئی جس کو قرآن میں وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ فرمایا ہے۔ ثعلبی نے کہا کہ یہ قول ظاہر آیت قرآن کے ساتھ اقرب ہے۔ (قرطبی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ نئی اولاد خود اپنے سے اُتنی ہی مل گئی جتنی پہلے تھی اور ان کے مثل اولاد سے مراد اولاد کی اولاد ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تین عادات پر حضرت ذوالکفل کی مداومت

ابنِ کثیرؒ نے فرمایا کہ ان کا نام ان دونوں پیغمبروں کے ساتھ شامل کر کے ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی کوئی اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے مگر بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمرۂ انبیاء میں نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح اولیاء اللہ میں سے تھے۔ امام تفسیر ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یَسَع جن کا نبی و پیغمبر ہونا قرآن میں مذکور ہے جب بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تو ارادہ کیا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں جو اُن کی زندگی میں وہ سب کام ان کی طرف سے کرے جو نبی کے فرائض میں داخل ہیں۔

اس مقصد کے لیے حضرت یسع علیہ السلام نے اپنے سب صحابہ کو جمع کیا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جس کے لیے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہو اس کو

خلیفہ بناؤں گا۔ وہ تین شرطیں یہ ہیں کہ:

وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ رات کو عبادت میں بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔ مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر ذلیل سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لیے حاضر ہوں۔ حضرت یسع علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ شب بیداری کرتے ہو اور کبھی غصہ نہیں کرتے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک میں ان تین چیزوں کا عامل ہوں۔ حضرت یسع علیہ السلام (کو شاید کچھ اس کے قول پر اعتماد نہ ہوا اس لیے) اس روز اسکو رد کردیا پھر کسی دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا اور سب حاضرین ساکت رہے اور یہی شخص پھر کھڑا ہو گیا اس وقت حضرت یسع نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان نے یہ دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہو گئے تو اپنے اعوان شیاطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے یہ منصب اس کا سلب ہو جائے۔ اعوانِ شیطان نے عذر کر دیا کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں شیطان ابلیس نے کہا کہ اچھا تم اس کو مجھ پر چھوڑو (میں اُس سے نمٹ لوں گا)۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام اپنے اقرار کے مطابق دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے تھے صرف دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے (قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں) شیطان عین دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہے کہنے لگا کہ میں بوڑھا مظلوم ہوں، انہوں نے دروازہ کھولدیا۔ اس نے اندر پہنچ کر ایک افسانہ کہنا شروع کر دیا کہ میری برادری کا مجھ سے جھگڑا ہے انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا وہ ظلم کیا، ایک طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دوپہر

کے سونے کا وقت ختم ہوگیا۔ حضرت ذوالکفل نے فرمایا کہ جب میں باہر آؤں تو میرے پاس آجاؤ میں تمہارا حق دلواؤں گا۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام باہر تشریف لائے اور اپنی مجلس عدالت میں اُسکا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا۔ اگلے روز پھر جب وہ عدالت میں فیصلہ مقدمات کے لیے بیٹھے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے اور یہ نہ آیا۔ جب دوپہر کو پھر قیلولہ کے لیے گھر میں گئے تو یہ شخص آیا اور دروازہ کوٹنا شروع کیا۔ انہوں نے پھر پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ ایک مظلوم بوڑھا، انونہوں نے پھر دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں تو تم آجاؤ (تم نہ کل آئے نہ آج صبح سے آئے) اس نے کہا کہ حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہونگا تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کریں گے تو انہوں نے اس وقت اقرار کرلیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کردیا انہوں نے پھر اس کو یہی فرمایا کہ اب جاؤ جب میں مجلس میں بیٹھوں تو میرے پاس آجاؤ۔ اسی گفت وشنید میں آج کے دوپہر کا سونا بھی رہ گیا اور وہ باہر مجلس میں تشریف لے گئے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے (اگلے روز بھی دوپہر تک انتظار کیا وہ نہیں آیا پھر جب تیسرے روز دوپہر کا وقت ہوا اور نیند کو تیسرا دن ہوگیا تھا نیند کا غلبہ تھا) تو گھر میں آکر گھر والوں کو اس پر مقرر کیا کہ کوئی شخص دروازے پر دستک نہ دے سکے۔

یہ بوڑھا پھر تیسرے روز پہنچا اور دروازے پر دستک دینا چاہا لوگوں نے منع کیا تو ایک روشندان کے راستے سے اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کردیا یہ پھر نیند سے بیدار ہوگئے اور دیکھا کہ یہ شخص گھر کے اندر ہے اور دیکھا کہ

دروازہ بدستور بند ہے اس سے پوچھا؟ تو کہاں سے اندر پہنچا، اس وقت حضرت ذو الکفل نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کہ کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں، اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے میری ہر تدبیر میں تھکا دیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ تجھے کسی طرح غصہ دلا دوں تا کہ تو اپنے اس اقرار میں جھوٹا ہو جائے جو یَسَع علیہ السلام نبی کے ساتھ کیا ہے، اس لیے میں نے یہ سب حرکتیں کیں۔ یہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے، حضرت ذوالکفل اپنے اس عہد پر پورے اُترے۔ (ابن کثیر)

''کفل'' کی توبہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اور ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سات مرتبہ سے زائد سنی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کِفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا، اُسکے پاس ایک عورت آئی اسنے اس کو ساٹھ دینار (گنّیاں) دیں اور فعل حرام پر اسکو راضی کرلیا۔ جب وہ مباشرت کے لیے بیٹھ گیا تو یہ عورت کانپنے اور رونے لگی اس نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا میں نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں جبر تو نہیں کیا، لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں کیا اور اس وقت مجھے اپنی ضرورت نے مجبور کر دیا اس لیے اس پر آمادہ ہوگئی یہ سن کر وہ شخص اسی حالت میں عورت سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جاؤ یہ دینار بھی تمہارے ہیں اور اب سے کفل بھی کوئی گناہ نہیں کرے گا، اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات میں کفل کا انتقال

ہو گیا اور صبح اس کے دروازے پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی دیکھی گئی۔

غفر الله للكفل یعنی اللہ نے کفل کو بخش دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین کی جانب سے تہمت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان براءت

صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں یہ واقعہ غیر معمولی طویل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق میں جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے ۶ ہجری میں تشریف لے گئے تو امہات المؤمنین میں سے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ شغدف) ہوتا تھا اور چونکہ اس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے تو معمول یہ تھا کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہودج میں سوار ہو جاتیں پھر لوگ اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔

غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا، آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جاویں۔

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضاء حاجت کی ضرورت تھی اُس سے فراغت کے لیے جنگل کی طرف چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی۔ جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔

ان کے اونٹ کا قصہ یہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہودج یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کردیا گیا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں موجود ہیں، اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اس لیے نہ ہوا کہ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کم اور بدن میں نحیف تھیں کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جگہ واپس آ کر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانشمندی اور وقار و استقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور رفقاء کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لیے یہاں پہنچیں گے، اگر میں ادھر اُدھر کہیں اور گئی تو ان کو تلاش میں مشکل ہوگی اس لیے اپنی جگہ پر چادر میں لپٹ کر بیٹھ رہیں۔ آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔

دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابی رضی اللہ عنہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خدمت کے لیے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ کرلیں۔ وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی انہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے۔ قریب آئے تو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا۔ پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ . نکلا، یہ کلمہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ

قریب لاکر بٹھادیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہوگئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ پا چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے۔

رئیس المنافقین کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت

عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی اسکا تذکرہ کرنے لگے۔ جیسے حضرت حسان وحضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہما مردوں میں سے اور حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں میں سے۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ بن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول نقل کیا ہے کہ

اعانه ای عبدالله ابن ابی حسان و مسطح و حمنه .

جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت صدمہ پہنچا۔ صدیقہ عائشہؓ کو تو انتہائی صدمہ پہنچنا ظاہر ہی ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج وافسوس ہوا۔

تہمت لگانے والوں پر حد قذف

ایک مہینہ تک یہی قصہ چلتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں سورہ نور کی آیات نازل فرمائیں، قرآنی ضابطہ کے مطابق تہمت لگانے والوں سے شہادت کا مطالبہ کیا گیا تو وہ تو ایک بالکل ہی بے بنیاد خبر تھی گواہ کہاں سے لاتے، نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حد قذف جاری کی، ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے۔ بزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے تین مسلمانوں پر حدِ قذف جاری فرمائی۔ مسطح، حمنہ، حسان۔

اور طبرانی نے حضرت عمر ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر عبداللہ بن اُبی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی۔ پھر مؤمنین نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے۔ (بیان القرآن)

اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھریلو کاموں میں مشغول ہوگئیں ان کو کچھ خبر نہیں تھی کہ منافقین نے ان کے بارے میں کیا خبریں اُڑائی ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان یہ ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد کچھ میری طبیعت خراب ہوگئی اور سب سے بڑی وجہ طبیعت خراب ہونے کی یہ ہوگئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لطف و کرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا بلکہ اس عرصہ میں آپ ﷺ کا معاملہ یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھے چونکہ اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جارہی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا۔ میں اسی غم میں گھلنے لگی۔

ایک روز اپنی کمزوری کی وجہ سے اُم مسطح ؓ کو ساتھ لیکر میں نے قضاء حاجت کے لیے باہر جانے کا ارادہ کیا کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوکر گھر کی طرف آنے لگی تو اُمِ مسطح ؓ کا پاؤں اُن کی بڑی چادر میں الجھا اور یہ گر پڑیں۔ اس وقت ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تَعِسَ مِسطَح

یہ ایسا کلمہ ہے جو عرب میں بد دُعا کے لیے استعمال ہوتا ہے اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لیے بد دعا کا کلمہ سن کر صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تعجب ہوا۔ ان سے فرمایا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو جو غزوۂ بدر کا شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح، اس پر اُمِ مسطح رضی اللہ عنہا نے تعجب سے کہا کہ بیٹی کیا تم کو خبر نہیں کہ مسطح رضی اللہ عنہ میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے تب ان کی والدہ نے مجھے یہ سارا واقعہ اہل افک کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اس میں شریک ہونا بیان کیا۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنے میکے آمد

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرا مرض دوگنا ہوگیا۔ جب میں گھر میں واپس آئی اور حسبِ معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پرسی فرمائی تو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔

منشاء یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں نے جا کر والدہ سے پوچھا، انہوں نے تسلی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں مشہور کیا کرتے ہیں تم اس کے غم میں نہ پڑو خود بخود معاملہ صاف ہو جائے گا۔ میں نے کہا، سُبحانَ اللہ. لوگوں میں اسکا چرچا ہو چکا میں اس پر کیسے صبر کروں۔ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرا آنسو تھما نہ آنکھ لگی۔

واقعۂ افک سے متعلق آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس خبر کے پھیلنے سے سخت

غمگین تھے اور اس عرصہ میں اس معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی آپ پر نہ آئی تھی اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو دونوں گھر کے ہی آدمی تھے ان سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے حضرت اُسامہ بن زید نے تو کھل کر عرض کیا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں۔ ان کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ اللہ پاک نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی اگر افواہوں کی بناء پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کچھ تکدُّرِ طبعی ہوگیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں اور آپ ﷺ کا یہ تکدّر اس طرح بھی رفع ہوسکتا ہے کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز ہیں ان سے ان کے حالات کی تحقیق فرمالیجئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھ گچھ فرمائی بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اس کے کہ نوعمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے چینی اور آپ ﷺ کا خطبہ

اس کے بعد حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دینا اور برسرِ منبر تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمانا اور طویل قصہ مذکور ہے۔ آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

کہ میر یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گذری، میرے والدین بھی میرے پاس آ گئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

حضور ﷺ کا استفسار اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فاضلانہ جواب

میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب سے یہ قصہ چلا تھا اس سے پہلے آپ میرے پاس آ کر نہ بیٹھے تھے پھر آپ نے ایک مختصر خطبہ شہادت پڑھا اور فرمایا اے عائشہ مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بری ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں بری کر دیں گے (یعنی برأت کا اظہار بذریعہ وحی فرمادیں گے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے تھے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ نہ رہا میں نے اپنے والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عذر کیا کہ مین کیا کہہ سکتا ہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی عذر کر دیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اب مجبور ہو کر مجھے ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی۔ اسوقت اس رنج و غم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں جبکہ اچھے اچھے عقلاء کو بھی کوئی معقول کلام کرنا آسان نہیں

ہوتا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب وغریب عاقلانہ فاضلانہ کلام ہے اس کے الفاظ بعینہ لکھے جاتے ہیں:

واللہ لقد عرفت لقد سمعتم ھٰذا الحدیث حتّٰی استقرّ فی انفسکم و صدقتم بہ ولئن قلت لکم انّی بریئۃ واللہ یعلم انّی بریئۃ لا تصدّقونی ولان اعترفت لکم بامر واللہ یعلم انی منہ بریئۃ لتصدقونی واللہ لا اجد لی ولکم مثلا الا کما قال ابو یوسف فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون.

''بخدا مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس بات کو سنا اور سنتے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ ﷺ نے اُسکی (عملاً تصدیق کردی)، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں جیسا کہ اللہ جانتا ہے کہ واقعتاً میں بری ہوں تو آپ میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کرلوں جس سے میرا بری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو آپ میری بات مان لیں گے۔ واللہ اب میں اپنے اور آپ کے معاملہ کی کوئی مثال بجز اس کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی تھی کہ میں صبرِ جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اُس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کررہے ہو۔''

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور

فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالیٰ میری براءت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرمادیں گے۔

واقعۂ افک میں اللہ تعالیٰ کا اعلان براءت

لیکن یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیات نازل ہونگی جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کیا تھا۔ ہاں یہ خیال تھا کہ غالبا آپ کو خواب میں میری براءت ظاہر کردی جائے گی۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اُٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اُٹھا تھا کہ آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا :

ابشری یا عائشة اما الله فقد ابراک .

''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کردیا۔''

میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہوجاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوتی ہوں میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اُسی نے مجھے بری فرمایا۔

غزوہ احزاب اور غزوۂ خندق کا تفصیلی واقعہ

احزاب، حزب کی جمع ہے، جس کے معنی پارٹی یا جماعت کے آتے ہیں، اس

غزوہ میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں، اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ احزاب رکھا گیا ہے اور چونکہ اس غزوہ میں دشمن کے آنے کے راستہ پر بامرِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودی گئی تھی، اس لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سال مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے، اس کے دوسرے سال ہی میں غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ تیسرے سال میں غزوۂ احد پیش آیا۔ چوتھے سال میں یہ غزوۂ احزاب واقع ہوا۔ اور بعض روایات میں اس کو پانچویں سال کا واقعہ قرار دیا ہے۔ بہرحال ابتداء ہجرت سے اس وقت تک کفار کے حملے مسلمانوں پر مسلسل جاری تھے غزوۂ احزاب کا حملہ بڑی بھرپور طاقت وقوت اور پختہ عزم اور عہد و میثاق کے ساتھ کیا گیا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ غزوہ سب دوسرے غزوات سے زیادہ اشد تھا۔ کیونکہ اس میں حملہ آور احزاب کفار کی تعداد بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک بتلائی گئی ہے اور اس طرف سے مسلمان کل تین ہزار وہ بھی بے سروسامان، اور زمانہ سخت سردی کا۔

قرآن کریم نے تو اس واقعہ کی شدت بڑی ہولناک صورت میں یہ بیان فرمائی ہے:

زاغت الابصار (آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں)

بلغت القلوب الحناجر. (کلیجے منہ کو آنے لگے)،

وزلزلوا زلزالا شدیدا. (سخت زلزلہ میں ڈالے گئے)۔

مگر جیسا کہ یہ وقت مسلمانوں پر سب سے زیادہ سخت تھا، ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے اس کا انجام مسلمانوں کے حق میں ایسی عظیم فتح و کامیابی کی صورت

میں سامنے آیا، کہ اس نے تمام مخالف گروہوں مشرکین، یہود اور منافقین کی کمریں توڑ دیں اور آگے ان کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ مسلمانوں پر کسی حملے کا ارادہ کرسکیں، اس لحاظ سے یہ غزوہ کفر واسلام کا آخری معرکہ تھا، جو مدینہ منورہ کی زمین پر ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال میں لڑا گیا۔

اس واقعہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ یہود کے قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ بنی وائل کے تقریبا بیس آدمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچے، اور قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اس لیے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں یہود کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت واتحاد کی کیا توقع رکھی جائے۔ اس لیے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان دین و مذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بات بتلائیے کہ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا۔

ان یہودیوں نے اپنے علم وضمیر کے بالکل خلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر ہے۔ اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی معاملہ یہ ٹھہرا کہ بیس آدمی یہ آنے والے اور پچاس آدمی قریشی سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینے لگ کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسلم کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

اللہ کے گھر میں اللہ کے بیت سے چمٹ کر اللہ کے دشمن اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑنے کا معاہدہ کرر ہے ہیں اور مطمئن ہوکر جنگ کا نیا جذبہ لے کر لوٹتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا عجیب مظہر ہے، پھران کے اس معاہدہ کا حشر بھی آخر قصہ میں معلوم ہوگا کہ سب کے سب اس جنگ سے منہ موڑ کر بھاگے۔

یہ یہودی قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اوران کو بتلایا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استحصال کردیں، آپ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں اوران کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجور ایک سال میں پیدا ہوگی وہ اور بعض روایات میں اس کا نصف قبیلہ غطفان کو دیا جانے کا وعدہ کیا۔قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے اس شرط کے ساتھ ان سے شرکت کو منظور کرلیا اور یہ لوگ بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔

اور باہمی قرارداد کے مطابق مکہ سے قریشیوں کا لشکر چار ہزار نو جوانوں اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے سامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور مرظہران میں قیام کیا یہاں قبیلہ اسلم اور قبیلہ اشجع اور بنو مرہ، بنو کنانہ اور فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے۔جن کی مجموعی تعداد بعض روایات میں دس بعض میں بارہ ہزار اور بعض میں پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانون کے مقابل آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا، پھر غزوۂ احد میں حملہ کرنے والا لشکر تین ہزار کا تھا۔اس مرتبہ لشکر کی تعداد بھی ہر پہلی مرتبہ سے زائد تھی اور سامان بھی اور تمام قبائل عرب ویہود کی اتحادی طاقت بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس متحدہ محاذ کی حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا حسبنا الله و نعم الوكيل یعنی ہمیں اللہ کافی اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔

اس کے بعد مہاجرین وانصار کے اہل حل وعقد کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا۔ اگرچہ صاحب وحی کو درحقیقت مشورہ کی ضرورت نہیں ہوگی، وہ براہ راست حق تعالیٰ کے اذن واجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورے میں دو فائدے تھے۔ ایک امت کے لیے مشورہ کی سنت جاری کرنا، دوسرے قلوب مومنین میں باہمی ربط واتحاد کی تجدید اور تعاون وتناصر کا جذبہ بیدار کرنا۔ اس کے بعد دفاع اور جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا۔ مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو ابھی حال میں ایک یہودی کی مصنوعی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لیے تیار ہوئے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ اور بنفسِ نفیس خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔

یہ خندق جبل سلع کے پیچھے اس پورے راستہ کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے شمال کی طرف سے آنے والے دشمن آسکتے تھے، اس خندق کے طول وعرض کا خط خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا یہ خندق قلعہ شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی گوشہ تک آئی اور بعد میں اسے بڑھا کر وادی بطحان اور وادی راتونا کے مقام اتصال تک پہنچا دیا گیا۔ اس خندق کی کل لمبائی تقریبا ساڑھے تین میل تھی، چوڑائی

اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت سے معلوم نہیں ہوئی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ چوڑائی اور گہرائی بھی خاصی ہوگی جس کو عبور کرنا دشمن کے لیے آسان نہ ہو۔

حضرت سلمان ﷛ کے خندق کھودنے کے واقعہ میں یہ آیا ہے کہ وہ روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھودتے تھے (مظہری)

اس سے خندق کی گہرائی پانچ گز کہی جاسکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی اور کل چھتیس گھوڑے تھے۔

اسلامی لشکر میں کچھ نابالغ بچے بھی اپنے جوش ایمانی سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو واپس کردیا جو پندرہ سال سے کم عمر والے تھے، پندرہ سالہ نوعمر لے لیے گئے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء ابن عازب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لیے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رلے ملے رہتے تھے انہوں نے سرکنا شروع کیا، کچھ چھپ کر نکل گئے، کچھ لوگوں نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت لینی چاہی۔ یہ اپنے اندر سے ایک نئی آفت پھوٹی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لیے مہاجرین کا جھنڈا حضرزید بن حارثہ ﷛ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ ﷛ کے سپرد فرمایا۔ اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم تھے اور سب بھائی بھائی تھے۔ مگر انتظامی سہولت کے لیے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ کردی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی

نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون و تناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون و تناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین و انصاری کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونکہ خندق کھودنے کا مشورہ دینے والے اور کام سے واقف اور مضبوط آدمی تھے اور نہ انصار میں شامل تھے نہ مہاجرین میں، ان کے متعلق انصار و مہاجرین میں ایک مسابقت کی فضاء پیدا ہوگئی۔ انصار ان کو اپنے میں شامل کرنا چاہتے تھے، مہاجرین اپنے میں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع نزاع کے لیے مداخلت کرنے کی نوبت آئی اور آپ نے یہ فیصلہ دیا کہ **سلمان منا اهل البیت** یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

آج تو دنیا میں غیر ملکی باشندے اور غیر مقامی کو اپنی برابر کا درجہ دینا لوگ پسند نہیں کرتے وہاں ہر فریق اہل صلاحیت کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بیت میں خود داخل فرما کر نزاع کو ختم کیا اور عملی طور پر چند انصار اور چند مہاجرین شامل کر کے ان کے دس کی جماعت بنائی جس میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے۔

اتفاق سے جو حصہ خندق کا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے سپرد تھا اس میں ایک سخت اور چکنے پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھی عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہوگئے تو میں

نے سلمان ﷜ سے کہا کہ اگر چہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذراسی کجی کے ساتھ اس کو اصل خندق سے ملادیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

دورانِ خندق سخت چٹان کا ظہور

اس ساڑھے تین میل کے میدان میں خندق کھودنے والوں میں کسی کو رکاوٹ پیش نہ آئی جو عاجز کردے۔ پیش آئی تو حضرت سلمان ﷜ کو پیش آئی، جنہوں نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور اسی کو قبول کر کے یہ سلسلہ جاری ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھلادیا کہ خندق کھودنے اور بنانے میں بھی اللہ کی طرف رجوع کے سوا چارہ نہیں، آلات واوزار سب جواب دے چکے۔ جس میں ان حضرات کو تعلیم تھی کہ مادی اسباب کو بقدر وسعت وطاقت جمع کرنا فرض ہے، مگر ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔ مومن کا بھروسہ تمام اسبابِ مادیہ کو جمع کر لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیئے۔

حضرت سلمان ﷜ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے، خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت براء بن عازب ﷜ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی کھال نظر نہ آتی تھی۔ ان کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کے بجائے خود ان کے ساتھ موقع پر تشریف لائے اور دس حضرات صحابہ ﷢ سلمان ﷜ کے جو اس کے کھودنے میں مصروف تھے خندق کے اندر اتر کر آپ ﷺ بھی

ان میں شامل ہو گئے۔ اور کدال اپنے دست مبارک میں لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی:

تمت کلمة ربک صدقا. (یعنی پوری ہوگئی نعمت آپ کے رب کی سچائی کے ساتھ)۔

اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اس کے ساتھ ہی ایک روشنی پتھر کی چٹان سے برآمد ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور آیت مذکورہ کو آخر تک پڑھا، یعنی

وتمت کلمة ربک صدقا و عدلا .

اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی، اور اسی طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی، تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پوری پڑھ کر تیسری ضرب لگائی، تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہوگئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور اپنی چادر جو خندق کے کنارہ پر رکھ دی تھی اٹھالی اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے جتنی مرتبہ اس پتھر پر ضرب لگائی میں نے ہر مرتبہ پتھر سے ایک روشنی نکلتی دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے یہ روشنی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

قیصر وکسریٰ کے محلات کی فتح کی خوشخبری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی ضرب میں جو روشنی نکلی میں نے اس

روشنی میں یمن اور کسریٰ کے شہروں کے محلات دیکھے اور جبرئیل امین نے مجھے بتلایا کہ آپ کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔ اور جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے رومیوں کے سرخ محلات دکھائے گئے اور جبرئیل امین نے یہ خوش خبری دیدی کہ آپ کی امت ان شہروں کو بھی فتح کرے گی ۔ یہ ارشاد سن کر سب مسلمان مطمئن ہوئے اور آئندہ عظیم الشان فتوحات پر یقین ہوگیا۔

اس وقت جو منافقین خندق کی کھدائی میں شامل تھے، وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد ﷺ کی بات پر حیرت وتعجب نہیں ہوتا وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنا رہے ہیں کہ یثرب میں خندق کی گہرائی کے اندر انہیں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں اور یہ کہ تم لوگ ان کو فتح کروگے۔ ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں، پیشاب پاخانے کی ضرورت پوری کرنے کی مہلت نہیں، تم ہو جو کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کروگے۔ اسی واقعہ پر ان آیات کا نزول ہوا۔

اذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا.

اس آیت میں **الذین فی قلوبھم مرض** میں بھی انھی منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جن کے دلوں میں نفاق کا رمض چھپا ہوا تھا۔

غور کیجئے کہ اس وقت مسلمانون کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر پورے یقین کا کیسا سخت امتحان تھا کہ ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں، خندق کھـودنے کے لیے مزدور اور خادم نہیں، خود ہی یہ محنت ایسی حالت میں

برداشت کرر ہے ہیں کہ سخت سردی نے سب کو پریشان کرر کھا ہے، ہر طرف سے خوف ہی خوف ہے۔ بظاہر اسباب اپنے بچاؤ اور بقاء پر یقین کرنا بھی آسان نہیں، دنیا کی عظیم سلطنت روم وکسریٰ کی فتوحات کی خوش خبری پر یقین کس طرح ہو؟ مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی بناء پر ہے کہ اسباب و حالات کے سراسر خلاف ہونے کے وقت بھی ان کو رسول ﷺ کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔

یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جاں نثار خادم تھے جو کسی حال میں بھی یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس مزدوری کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لیے اس محنت ومزدوری میں برابر کا حصہ لیا۔ صحابہ کرام ؓ کی جاں نثاری، آپ کے اوصاف کمال اور نبوت ورسالت کی بنیاد پر تو تھی ہی، مگر ظاہر اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ہر محنت ومشقت اور تنگی وتکلیف میں آپ ﷺ سب عوام کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے۔ حاکم ومحکوم، بادشاہ ورعیت اور صاحب اقتدار وعوام کی تفریق کا کوئی تصور وہاں نہ پیدا ہوتا اور جب سے ملوک اسلام نے اس سنت کو ترک کیا اسی وقت سے یہ تفرقے پھوٹے اور طرح طرح کے فتنے اپنے دامن میں لائے۔

واقعہ مذکورہ میں اس ناقابل تسخیر چٹان پر ضرب لگانے کے ساتھ آیت قرآن:

تمت كلمة ربك صدقا و عدلا ط لا مبدل لكلمته.

تلاوت فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشکل کو حل کرنے کے لیے اس آیت کی تلاوت ایک مجرب نسخہ ہے۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خندق کی کھدائی کے لیے ہر چالیس گز پر دس آدمی مامور

تھے، مگر یہ ظاہر ہے کہ بعض لوگ قوی اور جلد کام کر لینے والے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں سے جن حضرات کا اپنا حصہ کھدائی کا پورا ہو جاتا تو یہ سمجھ کر خالی نہ بیٹھتے تھے کہ ہماری ڈیوٹی پوری ہوگئی، بلکہ دوسرے صحابہ جن کا حصہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا ان کی مدد کرتے تھے۔ (قرطبی، مظہری)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ چھ روز میں سامنے آگیا، کہ اتنی طویل اور چوڑی اور گہری خندق کی چھ روز میں تکمیل ہوگئی۔

دورانِ خندق جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت اور رسول اللہ ﷺ کا معجزہ

اسی خندق کی کھدائی کے دوران وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ بھوک کے سبب آپ متاثر ہو رہے ہیں اپنی اہلیہ سے جا کر کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا۔ اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع بھر جو رکھے ہیں میں ان کو پیس کر آٹا بناتی ہوں۔ ایک صاع ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً تین سیر کا ہوتا ہے۔ اہلیہ پیسنے پکانے میں لگی، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لیے چلے تو اہلیہ نے پکار کر کہا کہ دیکھئے حضور ﷺ کے ساتھ بہت بڑا مجمع صحابہ کا ہے، صرف حضور ﷺ کو کسی طرح تنہا بلا لائیں، مجھے رسوانہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑا مجمع چلا آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری حقیقت حال عرض کر دی کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ نے پورے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے، حضرت جابر رضی اللہ

عنہ حیران تھے، گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت اور کھانے کی مقدار بتلا دی تھی؟ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں وہ میں بتلا چکا ہوں تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی تفصیل اس جگہ غیر ضروری ہے اتنا نتیجہ معلوم کر لینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا، اور پورے مجمع نے شکم سیر ہو کر کھایا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب مجمع کے فارغ ہونے کے بعد بھی نہ ہماری ہنڈیا میں سے کچھ گوشت کم نظر آتا تھا اور نہ گوندھے ہوئے آٹے میں کوئی کمی معلوم ہوتی تھی۔ ہم سب گھر والوں نے بھی شکم سیر ہو کر کھایا باقی پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس طرح چھ روز میں جب خندق سے فراغت ہوگئی تو احزاب کا لشکر آپہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جبلِ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر فوج کی صف بندی کر دی۔

اندرون مدینہ میں بنو قریظہ کی عہد شکنی

اس وقت دس بارہ ہزار کے باسامان لشکر کے ساتھ تین ہزار بے سروسامان لوگوں کا مقابلہ بھی عقل و قیاس میں آنے کی چیز نہ تھی اس پر ایک اور نیا اضافہ ہوا کہ احزاب میں قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے جس نے سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر جمع کرنے میں بڑا کردار ادا کیا تھا،

مدینہ پہنچ کر یہود کے قبیلہ بنوقریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ بنایا۔ بنوقریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ایک صلح نامہ پر دستخط ہو چکے تھے اور معاہدہ مکمل ہوکر ایک دوسرے سے بےفکر تھے۔ بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا۔ حیی بن اخطب اس کے پاس پہنچا۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، کہ حی اس تک نہ پہنچ سکے۔ مگر حیی بن اخطب نے آوازیں دیں اور دروازہ کھولنے پر اصرار کیا۔ کعب نے اندر ہی سے جواب دے دیا کہ ہم تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صلح کر چکے ہیں، اور ہم نے آج تک ان کی طرف سے معاہدہ کی پابندی اور صدق وسچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا، اس لیے ہم اس معاہدہ کے پابند ہیں، آپ کے ساتھ نہیں آسکتے۔

دیر تک حیی بن اخطب دروازہ کھولنے اور کعب سے باتیں کرنے پر اصرار کرتا رہا اور یہ اندر سے ہی انکار کرتا رہا۔ مگر بالآخر جب کعب کو بہت عار اور شرم دلائی تو اس نے دروازہ کھول کر حیی کو بلایا اس نے بنوقریظہ کو وہ سبز باغ دکھائے کہ آخرکار کعب اس کی باتوں میں آگیا، اور احزاب میں شرکت کا وعدہ کرلیا۔

دوسری جانب کعب نے جب اپنے قبیلہ کے دوسرے سرداروں کو یہ بات بتلائی تو سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ تم نے غضب کیا کہ مسلمانوں سے بلاوجہ عہدشکنی کی اور ان کے ساتھ لگ کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا۔ کعب بھی ان کی بات سے متاثر ہوا اور اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا۔ مگر اب بات اس کے اختیار سے نکل چکی تھی، اور بالآخر یہی عہدشکنی بنوقریظہ کی ہلاکت وبربادی کا سبب بنی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع ملی تو اس وقت میں ان کی عہد شکنی سے سخت صدمہ پہنچا اور بہت بڑی فکر اس کی لاحق ہوگئی کہ احزاب کے راستہ پر تو خندق کھود دی گئی تھی، مگر یہ لوگ تو مدینہ کے اندر تھے، ان سے بچاؤ کیسے ہو؟ قرآن کریم میں جو اس جملہ کے متعلق فرمایا ہے کہ لشکر احزاب کے کفار تم پر چڑھ آئے تھے :

من فوقکم و من اسفل منکم .

اس کی تفسیر میں بعض ائمہ تفسیر نے یہی فرمایا ہے کہ فوق کی جانب سے مراد بنو قریظہ ہیں اور اسفل سے آنے والے باقی احزاب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کی حقیقت اور صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے انصار کے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بصورت وفد کعب کے پاس بھیجا کہ اس سے گفتگو کریں اور یہ ہدایت دے دی کہ اگر عہد شکنی کا واقعہ غلط ثابت ہو تو سب صحابہ کے سامنے کھل کر بیان کر دینا اور صحیح ثابت ہو تو آ کر گول مول بات کہنا جس سے ہم سمجھ لیں اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سراسیمگی پیدا نہ ہو۔

یہ دونوں بزرگ سعد نامی وہاں پہنچے تو عہد شکنی کے سامان کھلے دیکھے۔ ان کے اور کعب کے درمیان سخت کلامی بھی ہوئی واپس آ کر حسب ہدایت گول مول بات کہہ کر آنحضرت صلی الہ علیہ وسلم کو عہد شکنی کا واقعہ صحیح ہونے سے باخبر کر دیا۔

اس وقت جب کہ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ جو مسلمانوں کا حلیف تھا وہ بھی برسر جنگ آ گیا تو جو نفاق کے ساتھ مسلمانوں میں شامل تھے ان کا نفاق بھی کھلنے لگا۔

بعض نے تو کھل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کہنا شروع کر دیں، جیسا کہ اوپر گذرا : اذیقول المنافقون . اور بعض نے حیلے بہانے بنا کر میدان جنگ سے بھاگ جانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی، جس کا ذکر آیات مذکورہ: ان بیوتنا عورة میں آیا ہے۔

خندق میں دوطرفہ تیروں کا تبادلہ

اب محاذ جنگ کی یہ صورت تھی کہ خندق کی وجہ سے احزاب کا لشکر اندر نہ آسکتا تھا۔ اس کے دوسرے کنارہ پر مسلمانوں کا لشکر تھا۔ دونوں میں ہر وقت تیراندازی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اسی حال میں تقریباً ایک مہینہ ہو گیا کہ نہ کھل کر کوئی فیصلہ کن جنگ ہوتی تھی اور نہ کسی وقت بے فکری، دن رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے کنارے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بنفس نفیس اس محنت ومشقت میں شریک تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت شاق تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب سخت اضطراب اور بے چینی میں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے۔ آپ نے غطفان کے دوسردار عیینہ ابن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ۔ یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت

ارادہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس معاملہ میں مشورہ لیں۔ قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

دونوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ کو اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں، ہم قبول کریں گے ورنہ بتایئے کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کے لیے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے اور نہ میری طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت وتکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دیدیں گے۔ ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ کا کاغذ ان

کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹادی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ غطفان کے سردار عیینہ اور حارث جو خود اس صلح کے لیے تیار ہو کر مجلس میں میں موجود تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ قوت وشدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہو گئے۔

ادھر خندق کے دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی حارثہ کے قلعہ میں جہاں عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا، اپنی والدہ کے پاس گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بھی اس وقت اسی قلعہ میں تھی، اور عورتوں کو پردے کے احکام اس وقت تک آئے نہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے ہیں جس میں سے ان کے ہاتھ نکل رہے تھے اور ان کی والدہ ان سے کہہ رہی ہیں کہ جاؤ جلدی کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے ان کی والدہ سے کہا کہ ان کے لیے کوئی بڑی زرہ ہوتی تو بہتر تھا۔ مجھے ان کے ہاتھ پاؤں کا خطرہ محسوس ہوتا ہے، جو زرہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ والدہ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اللہ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لشکر میں پہنچے تو ان کو تیر لگا جس نے ان کی رگ اکحل کو کاٹ ڈالا۔ اس وقت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر آئندہ بھی قریش کا کوئی حملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر ہونا مقدر ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھیے، کیونکہ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں کہ میں اس قوم سے مقابلہ کروں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچائیں، وطن

سے نکالا اور آپ کی تکذیب کی اور اگر آئندہ آپ کے علم میں یہ جنگ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو آپ مجھے موت شہادت عطاء فرمائیں، مگر اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک کہ بنی قریظہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ اس واقعہ احزاب کو کفار کا آخری حملہ بنا دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کا دور شروع ہوا۔ پہلے خیبر پھر مکہ مکرمہ اور پھر دوسرے بلاد فتح ہوئے اور بنو قریظہ کا واقعہ آگے آتا ہے کہ وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ ان کے فیصلہ کے مطابق ان کے جوانوں کو قتل کیا گیا اور عورتیں بچے قید کر لیے گئے۔

اس واقعہ احزاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر خندق کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔ اگر کسی وقت آرام کے لیے لیٹتے بھی تو ذرا کسی طرف سے شور وشغب کی آواز آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلحہ باندھ کر میدان میں جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں کئی کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا آرام کرنے کے لیے تشریف لائے اور کوئی آواز سنی تو فوراً باہر تشریف لے گئے، پھر آرام کے لیے ذرا کمر لگائی اور پھر کوئی آواز سنی تو باہر تشریف لے گئے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بہت سے غزوات غزوۂ مریسیع، خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی ہوں، آپ پر کسی غزوہ میں ایسی شدت اور مشقت نہیں ہوئی، جیسی غزوۂ خندق میں پیش آئی۔ اس غزوہ قریظہ میں مسلمانوں کو زخم بھی بہت لگے، سردی کی شدت سے بھی تکلیف اٹھائی اس کے ساتھ کھانے پینے کی ضروریات میں بھی تنگی تھی۔

ایک روز مقابل کفار نے یہ طے کیا کہ سب مل کر یکبارگی حملہ کرو اور کسی طرح خندق کو عبور کر کے آگے پہنچو۔ یہ طے کر کے بڑی بے جگری سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے اور سخت تیر اندازی کی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کے لیے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی، چار نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں۔

جب مسلمانوں پر شدت کی انتہا ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کفار کے لیے بددعا کی اور تین روز پیر منگل، بدھ میں مسجد فتح کے اندر مسلسل احزاب کی شکست وفرار اور مسلمانوں کی فتح کے لیے دعا کرتے رہے۔ تیسرے روز بدھ کے دن ظہر وعصر کے درمیان دعاء قبول ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاداں وفرحاں صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے، فتح کی بشارت سنائی۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت کے بعد سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ (مظہری)

دشمنوں کی صفوں میں قبیلہ غطفان ایک بڑی طاقت تھی، حق تعالیٰ کی

قدرت کاملہ نے انہی میں سے ایک شخص نعیم ابن مسعود کے دل میں ایمان ڈال دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بتلایا کہ ابھی تک میری قوم میں کسی کو یہ معلوم نہیں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب مجھے فرمائیں کہ میں اسلام کی کیا خدمت کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اکیلے آدمی یہاں کوئی خاص کام نہ کرسکو گے، اپنی قوم میں واپس جا کر انہی میں مل کر اسلام سے مدافعت کا کوئی کام کرسکو تو کرو۔ نعیم ابن مسعودؓ ذہین سمجھدار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپ نے اجازت دیدی۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جنگی چال اور کفار کے متحدہ لشکر میں دراڑیں

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں سے بنو قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کے قدیم تعلقات تھے۔ ان سے کہا اے بنو قریظہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں اس کے بعد حضرت نعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کے سرداروں سے ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ ان کا وطن یہاں نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ ان سب سے مختلف ہے۔ مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں۔ اگر تم نے ان لوگوں کے ساتھ

جنگ میں شرکت کی اور بعد میں یہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا۔ کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کرسکو گے؟

اس لیے میں تمہاری خیر خواہی سے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک شریک جنگ نہ ہو جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں، کہ وہ تم کو مسلمانون کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں۔ بنو قریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود ﷺ قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ کا دوست ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچا دوں بشرطیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں۔ وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اپنے فیصلہ پر نادم ہوئے اور اس کی اطلاع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہوسکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالے کر دیں کہ آپ ان کی گردن مار دیں، پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان سب سے جنگ کریں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو قبول کر لیا ہے۔ اب بنو قریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے، اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں۔

اس کے بعد نعیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو یہی خبر سنائی۔ اس کے ساتھ ہی ابوسفیان نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو اس کام کے لیے مقرر کیا کہ وہ بنوقریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ بھی ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں، ہم آپ کے معاہدے کے مطابق آپ کی امداد اور شرکت کے منتظر ہیں۔ بنوقریظہ نے ان کو اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک تم دونوں قبیلوں کے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن (یرغمال) کے نہ پہنچ جائیں۔ عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی تو قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نعیم بن مسعود نے جو خبر دی تھی وہ صحیح ہے، اور بنوقریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم ایک آدمی بھی اپنا آپ کو نہیں دیں گے، پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ بنوقریظہ کو یہ حال دیکھ کر اس بات پر جو نعیم ابن مسعود نے کہی تھی اور زیادہ یقین ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن گروہ میں سے ایک شخص کے ذریعہ ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دی اور ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

آسمانی مدد، کفار کی شکست اور مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ

اس کے ساتھ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور برفانی ہوا ان پر مسلط کردی، جس نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے، ہنڈیاں

چولھوں سے اڑا دیں۔ یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاؤں اکھاڑنے کے لیے پیدا فرمادیئے تھے اس پر مزید اپنے فرشتے بھیج دیئے جو باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کردیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ کے شروع میں بھی اس طرح فرمایا گیا ہے :

فارسلنا علیهم ریحا و جنودا الم تروها.

یعنی ہم نے بھیج دی ان کے اوپر ایک تند وسخت ہوا اور بھیج دیئے فرشتوں کے لشکر۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان لوگوں کے لیے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

آئینہ تالیفات

حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب کی تالیفات ایک نظر میں

حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کو اللہ پاک نے ذوقِ مطالعہ، شوقِ تصنیف وتالیف عطا فرمایا ہے، بہت کم عرصے میں انہوں نے میدانِ قلم میں وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار ملک کے بااعتماد مصنفین میں ہونے لگا ہے، اوران کی کتابیں معتبر و مستند کتب سمجھ کر دیکھی اور پڑھی جانے لگی ہیں، طبقۂ اہل علم ودانش انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس وقت ان کی دودرجن سے زائد ''تالیفات'' میرے سامنے رکھی ہیں، ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی ورق گردانی کرنے ، کچھ بغور اور کچھ سرسری طور پر پڑھنے سے حیرت بھی ہوئی اور مفتی صاحب موصوف کی علمی قابلیت ولیاقت کا اندازہ بھی، مولانا کے قریب رہنے کے وجہ سے بندہ کو کسی قدر حضرت مفتی صاحب کی تدریس وافتاء کی ذمہ داریوں اور دیگر تصنیفی ،علمی وعملی مشاغل ومصروفیات کا علم ہے، نیز جامعہ کے انتظامی امور کا کس قدر بوجھ حضرت مفتی صاحب کے کندھوں پر ہے؟ یہ ان کی قریبی احباب بخوبی جانتے ہیں، ان سب باتوں کو دیکھ کر واقعۃً حیرت ہوتی ہے کہ مفتی صاحب آخر کس وقت یہ تصنیفی امور سرانجام دیتے ہیں؟ میں اپنے طور پر ان کے تصنیفی اوقات طے کرنے میں قیاس آرائیاں کرتا رہا لیکن حتمی طور پر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا، بالآخر ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا کہ ''حضرت! یہ کتابیں آپ کب اور کس وقت تحریر فرماتے ہیں؟''

اپنی گذشتہ تصنیف ''سنہرے اوراق'' میں نے بیماری کے دنوں میں رات ۱۲ ربجے کے بعد سے فجر کے درمیانی اوقات میں ترتیب دی ہے'' مفتی صاحب نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔

''اور اس سے پہلے کی تصنیفات؟'' میں نے مکرر پوچھا۔

''وہ بھی تقریباً یہی رات گئے اوقات میں'' اُسی سادگی و متانت سے جواب دیا۔ یہ سن کر مجھے انتہائی حیرت ہوئی، مجھے مشہور مصرع یاد آ گیا۔

من طَلَبَ الْعُلٰی سَهَرَ اللَّیَالِیْ

ترجمہ:۔ ''بلندیوں کا طالب راتیں جاگ کر گذارتا ہے''

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے علمی و اصلاحی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، اور کئی کتابیں تحریر فرما دیں، اللہ پاک نے ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائی ہے، ماشاء اللہ ہر سال کم از کم دو تین نئی تصانیف منصۂ شہود پر رونما ہوتی ہیں۔ ان کی تصنیف کردہ کتب مختصر تعارف کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ''نماز دین کا ستون'' نماز جیسے اہم بالشان عبادت کے مسائل واحکام و فضائل تفصیل کے ساتھ۔ (صفحات ۶۴)

(۲) ''نفل نمازیں'' جس میں مختلف اوقات کی نفل نمازوں کے فضائل، ادائیگی کا طریقہ، رکعات کی تعداد کو کتب حدیث وفقہ سے منتخب کر کے جمع کیا گیا ہے۔ (صفحات ۶۴)

(۳) ''صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت واہمیت'' اس میں صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت واہمیت، اس کے پڑھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، نیز اس کی جماعت کا حکم، تسبیحات بھول جانے یا زیادہ پڑھنے کی صورت میں کیا حکم ہے، ایسے ہی تسبیحات کیسے شمار کی جائیں، اس کے علاوہ اس نماز کے تمام احکامات نہایت واضح اور سہل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

(کل صفحات: ۳۱)

۴ ''مساجد، طہارت اور نماز میں عام طور پر پائی جانے والی غلطیاں''

غفلت اور لاعلمی کی وجہ سے مساجد، طہارت اور نماز کے متعلق بیشمار غلطیاں ایسی ہیں جو عوام میں بالعموم اور خواص میں کسی قدر رواج پا گئی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عبادات کی انجام دہی کے لئے مشقت اٹھانے کے باوجود نہ نیکی کا شوق بڑھتا ہے، نہ عبادت کی نورانیت نصیب ہوتی ہے، عبادات میں شوق وذوق پیدا کرنے کے لئے عبادات کو عبادات کے طور پر سنن وآداب کی رعایت کے ساتھ سرانجام دینا ضروری ہے نیز عبادات کے حقیقی ثمرات وبرکات کے حصول کے لئے مروجہ غیر شرعی غلطیوں سے بچنا بھی شرطِ لازم ہے، اس کتاب میں عام طور پر پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کر کے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کا شرعی حل اور جواب ذکر کردیا گیا، کتاب پڑھیے اور اپنی نمازوں کی اصلاح کر کے انہیں سنت کے مطابق بنائیے۔ (کل صفحات:۱۹۲)

۵ ''مختصر دستور العمل'' مختصر رسالہ ہے، جس میں اعتکاف کے فضائل اور عشرۂ اخیرہ میں اوقات ولمحات کو قیمتی بنانے کے لئے معتکفین کے لئے مختصر دستور العمل بیان کیا گیا ہے۔ (صفحات ۴۸)

۶ ''نیکیوں کے پہاڑ'' مختصر وقت یعنی منٹوں اور سیکنڈوں میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں نیکیاں حاصل کرنے کے لیے روایات سے ثابت شدہ آیات و اوراد کا مجموعہ۔ (صفحات ۷۶)

۷ ''گناہوں کے پہاڑ'' اس رسالہ میں بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ نے ''سات ہلاکت خیز گناہوں'' سے بچنے کا حکم فرمایا، کی نہایت عمدہ اور دلنشین انداز میں تشریح کی گئی ہے، ایسی جامع وعمدہ تشریح کے ساتھ پہلی بار یہ رسالہ زیر طبع سے آراستہ ہوا ہے، عوام وخواص کے لئے یکساں مفید۔ (صفحات ۹۸)

۸ ''صحابہ کرام معیارِ حق و ایمان ہیں؟'' ایک اہم استفتاء اور اس کا تحقیقی جواب ہے جس میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر جو بعض ناداں اہل قلم حرف گری کرتے ہیں ان کے دندان شکن جواب کے ساتھ صحابہ کرام کے فضائل کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ (صفحات ۶۴)

۹ ''مروّجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت'' اس رسالہ میں اذان سے پہلے دورد وسلام پڑھنے کے متعلق ایک اہم استفتاء کا قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ صحابہ وتابعین کی روشنی میں مفصل ومدلّل جواب دیا گیا۔ (صفحات ۸۰)

۱۰ ''گلدستہ چہل حدیث'' چالیس مختصر احادیث نبویہ کا انتخاب جس میں منتخب احادیث کا مکمل مفہوم اور متعلقہ احکامات واضح کیے گئے ہیں۔ (صفحات ۲۱۶)

۱۱ ''گلدستۂ درود شریف'' اس رسالے میں قرآن وسنت کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کے فضائل وبرکات، مسائل اور فوائد تحریر کیے گئے ہیں، نیز احادیثِ مبارکہ، اقوالِ صحابہ وتابعین اور دیگر سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں ''کلماتِ درود'' ذکر کرنے کے بعد ان مواقع ومقامات کو بیان کیا گیا ہے جن میں درود وسلام پڑھنے کی ترغیب آئی ہے۔ (صفحات ۱۹۲)

۱۲ ''دس نصیحتیں'' جس میں حضور ﷺ نے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی ان کو مکمل تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ (صفحات ۱۱۶)

۱۳ ''رسول اکرم ﷺ کے رات کے اعمال'' اس رسالہ میں رات کی وہ تمام سنتیں اختصار کے ساتھ درج ہیں جو سونے سے لے کر جاگنے تک وقتاً فوقتاً انسان کو لاحق ہوتی ہیں، جن پر عمل کر کے انسان اپنی رات کی نیند کو عبادت بنا سکتا ہے۔ (صفحات ۹۴)

۱۴ ''قرآنِ کریم کی پُرنور دعائیں'' اس رسالے میں قرآنِ کریم کی وہ دعائیں ذکر کی گئیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے مانگی ہیں یا اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود سکھلائی ہیں۔ (صفحات ٦٦)

۱۵ ''شاہراہ جنت'' جس میں چالیس وہ اعمال جن کے متعلق جناب نبی کریم ﷺ نے خوشخبری سنائی ہے کہ ان اعمال کو انجام دینا دخول جنت کے موجب ہیں' احادیث کے حوالہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ (صفحات ۱۸۸)

۱۶ ''دنیا سے آخرت تک'' بیماری سے لے کر آخری رسومات' تدفین تک تمام احکام' جنازہ' غسل' کفن عیادت وغیرہ کے احکام ومسائل۔ (صفحات ۹۳)

۱۷ ''والدین کی شرعی ذمہ داریاں'' نومولود بچوں کے اسلامی نام' عقیقہ' سالگرہ' ابتدائی تربیت وغیرہ کے سلسلے میں شرعی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور مروجہ غیر شرعی رسومات کی قباحت واضح کی گئی ہے۔ (صفحات ۹۴)

۱۸ ''توشہ آخرت'' مختصر وقت میں ڈھیروں اجر وثواب ونیکیوں کے حصول کے لئے مستند روایات سے ماخوذ بابرکت کلمات کا ذخیرہ جس کی بدولت آخرت کے لئے عظیم توشہ نہایت آسان معمولات کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (صفحات ۸۰)

۱۹ ''موت کے بعد زندگی کا انجام'' اس کتاب میں موت کے بعد مؤمن و کافر نیک وبد لوگوں کے احوال اور جنت وجہنم کا تذکرہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ (صفحات ۱۷٦)

۲۰ ''ڈاڑھی قرآن وحدیث کی روشنی میں'' (اضافہ شدہ ایڈیشن) جس میں ڈاڑھی کے وجوب کو قرآن وحدیث اور ائمہ اربعہ کے مذاہب سے ثابت کیا گیا اور اس کے طبی نقصانات وفوائد کو بھی واضح کیا گیا۔ (صفحات ۴۸)

۲۱ ''احسن الحکایات'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور

دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیر انگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ (صفحات ۲۸۸)

۲۲ ''سنہرے موتی'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیر انگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی پہلی کڑی ہے۔ (صفحات ۱۷۶)

۲۳ ''سنہرے اوراق'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیر انگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی دوسری کڑی ہے۔ (کل صفحات: ۳۱۶)

۲۴ ''سنہری کرنیں'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیر انگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی تیسری کڑی ہے۔ (صفحات ۲۵۶)

۲۵ ''سنہری شعاعیں'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیرانگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی چوتھی کڑی ہے۔ (صفحات/۲۴۰)

۲۶ ''سنہرے نقوش'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیرانگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی پانچویں کڑی ہے۔ (صفحات/۲۵۶)

۲۷ ''سنہرے حروف'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیرانگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی چھٹی کڑی ہے۔ (صفحات/۲۵۶)

۲۸ ''سنہرے واقعات'' اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام وتابعین اور دیگر سلفِ صالحین اور مصلحین امت کے حیرانگیز، سبق آموز، روح پرور، زندگی کی کایا پلٹنے والے حالات واقعات درج ہیں، جنہیں پڑھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، دل میں نورانیت دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ سلسلۂ زرّیں اقوال وواقعات اور حالات کی ساتویں کڑی ہے۔ (صفحات/۲۵۶)

۲۹ ''مناسکِ حج'' حجاجِ کرام کی سہولت کے لئے اس کتاب میں حج وعمرہ ادا کرنے کا

طریقہ، خاص طور پر حج کے پانچ دنوں کے مسائل، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، رمی، قربانی، حلق وقصر، طواف زیارت اور طواف وداع کے مسائل واحکامات عام فہم، سادہ اور دلنشین انداز میں تحریر کیے گئے ہیں، نیز اخیر میں مختصر دستور العمل برائے حجاجِ کرام بھی لکھا گیا ہے۔ (صفحات ۱۱۲)

۳۰ ''آپ زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟'' اس کتاب میں زکوٰۃ کی فرضیت، اہمیت، قابلِ زکوٰۃ اثاثہ جات کی تفصیل، نیز اوران کا نصاب بیان کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے اہم اور پیچیدہ مسائل بھی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے۔ (صفحات ۹۶)

۳۱ ''جہنم والے اعمال کا خوفناک انجام'' کتاب میں مندرج مباحث اپنے نام سے عیاں میں ہیں کہ اس کتاب میں جہنم میں لے جانے والے اعمال میں سے انتیس (۲۹) بداعمالیوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً کفر وشرک، ریاکاری، عبادات میں سستی، قتل ناحق، شراب نوشی، سود خوری، چغلخوری، رشوت ستانی، بددیانتی، قطع رحمی، جادوگری وغیرہ وغیرہ، ان تمام سنگین بداعمالیوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ عام فہم سادہ اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ (کل صفحات ۲۷۶)

۳۲ ''سلسلہ قادریہ میں ذکر کرنے کا طریقہ'' اس کتابچہ میں سلسلۂ قادریہ ذکر کرنے کا وہ طریقہ بیان کیا گیا ہے جو پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت فیوضہم کا مرتب کردہ ہے، کتابچہ کے خیر میں نمازِ تہجد پڑھنے کا وہ طریقہ بھی لکھا گیا ہے، جو قطب الاقطاب حضرت مولانا حماداللہ ہالیجویؒ نے اپنے ایک سالک کو ارشاد فرمایا تھا۔ (کل صفحات ۲۴)

۳۴۳ **"اپنی حفاظت اللہ کے سپرد کیجئے"** آج کل ملکی حالات بالخصوص کراچی کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، ہر شخص کو گھر سے نکلتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے، ہر طرف خون وہراس، قتل وغارتگری، لوٹ مار اور چھینا جھپٹی کی وارداتیں عام ہیں، ان موجودہ گرگوں غیریقینی حالات کے تناظر میں یہ کتابچہ مرتب کیا گیا ہے، اس کتابچہ میں وہ دعائیں جمع کی گئی ہیں، جن کے پڑھنے سے آدمی کی جان ومال محفوظ رہتی ہے۔ (کل صفحات ۲۴)

۳۴۴ **"جادوٹونہ کی حقیقت اوراس کا علاج"** اس کتاب میں جادوٹونہ، آسیب کی حقیقت، اس کے اثرات جادو کے متعلق مذہب وسائنس کے نظریات بیان کرنے کے بعد اس کا شرعی طریقۂ علاج بیان کیا گیا ہے۔ نیز رائج الوقت غیرشرعی طریقۂ علاج کی نشاندہی کر کے اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

محمد قاسم امیر
رفیق
دارالافتاء جامعہ حلانیہ
۲۶ رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
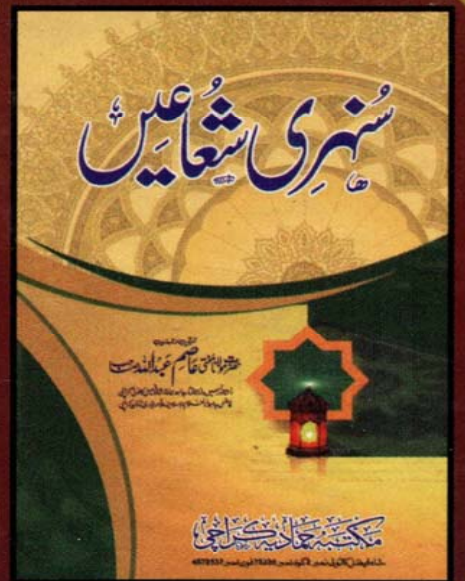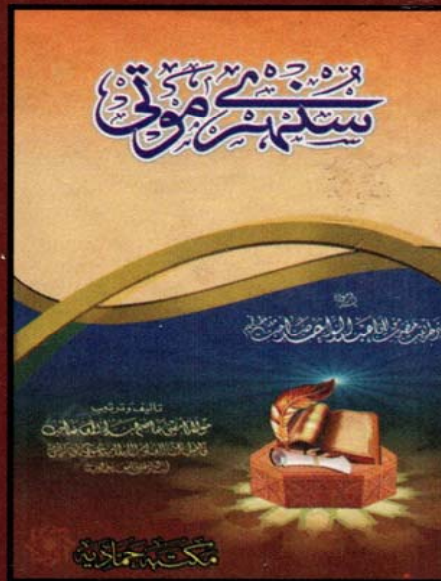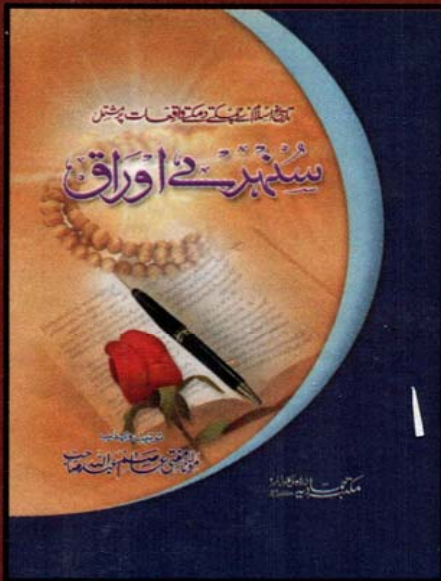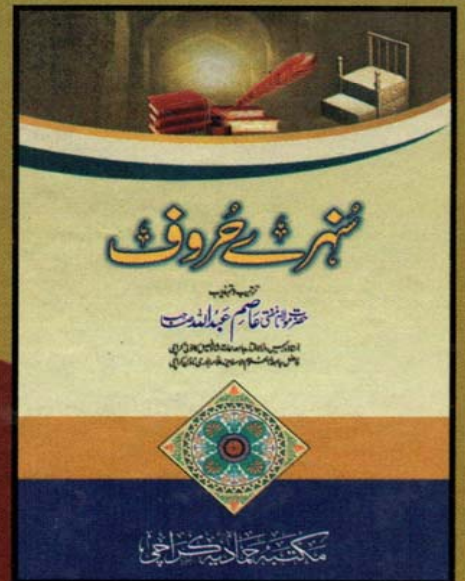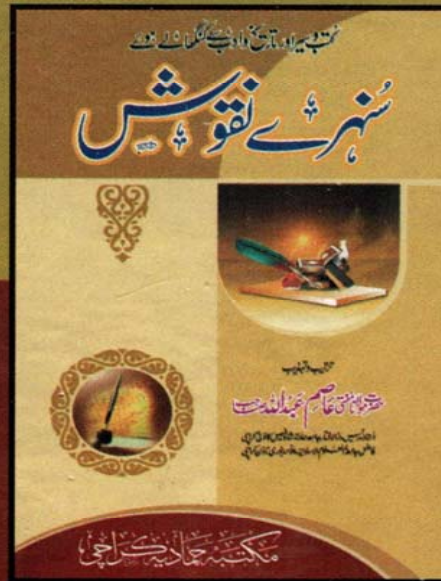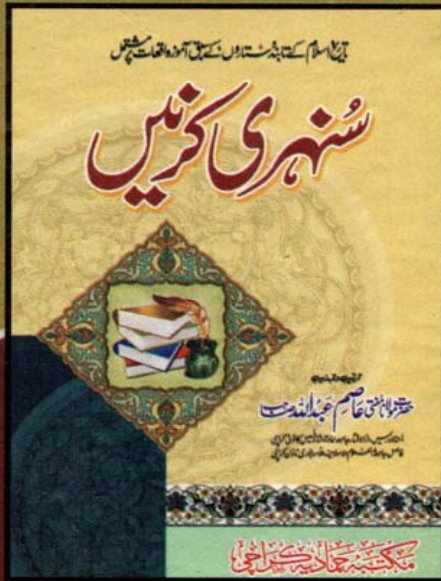
شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کوڈ نمبر 75230
فون نمبر: 021-34572537, 0333-3558552